ہفت روزہ

ترجمان اسلام

لاہور

نگران اعلیٰ
مولانا مفتی محمود

22/36

بیاد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

شیخ اکمل ابن بخاری مرد راہ

میری زندگی کے مربّی اور محسن

(ابو سلمان شاہجہانپوری)

۵ ستمبر تا ۱۱ ستمبر ۱۹۸۰ء	شمارہ ۳۶	قیمت ڈیڑھ روپیہ

امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اے مجاہد اے خطیبِ روزگار
اے جہانِ آگہی کے تاجدار

اے مفکر پیکرِ حسن و وفا
مرغزارِ زیست کے نغمہ سرا

اے مدبر اے خطیبِ خوش بیاں
دین شاہ انبیاءؐ کے پاسباں

ساحری تھی یا کہ یہ اعجاز تھا
یا کوئی جذبہ تیرا دمساز تھا

کج کلاہانِ جہانِ اقتدار
اور میدانِ عداوت کے سوار

کانپ جاتے تھے تیری تقریر سے
تھرتھراتے تھے تیری تکبیر سے

مضمحل ہے اب جہانِ زندگی
منتشر ہے کاروانِ زندگی!

مضطرب ہیں زندگی کے شہسوار
زندگی اب ہے لباسِ تار تار

ہے برہنہ ہونے کو دُنیائے دوں
موجزن ہے کفر کی رگ رگ میں خوں

آج باطل کے جنوں میں جوش ہے
آہ! اب تُو کس لئے خاموش ہے

اٹھ کے قرآں پھر سرِ منبر سُنا
لوٹ لے باطل کی ہر اک خوش ادا

حدّتِ دینِ نبی را تیز کن
شامِ ظلمت را تو نور انگیز کن

خالد نعیمی

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۳۶

جمعتہ المبارک ۲۴ شوال ۱۴۰۰ھ

سرپرست
مولانا عبید اللہ انور

مدیر
اکرام القادری

مدیر معاون
عمیر الہاشمی

بدلِ اشتراک
سالانہ
۶۵ روپے
ششماہی
۳۳ روپے
سہ ماہی ۱۷ روپے

قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے

خط وکتابت : ترجمانِ اسلام چوک رنگ محل لاہور

روسی صدر کی الزام تراشی

بی ۔ بی ۔ سی کے ایک نشریے کے مطابق روس کے صدر مسٹر برزنیف نے افغانستان کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم افغانستان کے مسئلہ کا سیاسی تصفیہ چاہتے ہیں اور اس کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ افغانستان کی حکومت اور پڑوسی ملکوں خاص طور سے پاکستان کے ساتھ سمجھوتے طے پا جائیں ۔ انہوں نے ایران کی دھمکیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایرانی حکومت کو اس معاملے میں ملوث نہیں ہونا چاہیئے ۔

مسٹر برزنیف نے یہ بھی کہا کہ افغانستان کی صورت کا سیاسی حل اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک پاکستان اور دوسرے مقامات سے مداخلت ختم نہیں ہو جاتی تاہم اس دوران ہم اپنے فرائض انجام دیتے رہیں گے جو کہ اقوام متحدہ کے منشور اور روس افغان سمجھوتے کے مطابق ہیں ۔ مسٹر برزنیف نے دعوی کیا کہ ان کی بہادر فوج ہر جارحیت کا مقابلہ کرنے کی اہل ہے ۔

مسٹر برزنیف کے درج بالا خیالات کے مطالعہ کے بعد ہمیں نہایت افسوس، حیرت اور دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ روسی صدر کو ان خیالات کا اظہار کرتے وقت کم از کم اپنے منصب و مقام کا ہی خیال کر لینا چاہیئے تھا ۔ اگر وہ صرف اتنا سوچ لیتے کہ وہ دنیا کی ایک بڑی طاقت کے سربراہ ہیں اور ان کی زبان سے نکلا ہوا لفظ لفظ ان کے دوستوں اور دشمنوں میں تولا اور پرکھا جاتا ہے تو پاکستان ۔ ایران اور افغانستان کے دوسرے پڑوسی ملکوں پر الزام تراشی نہ کرتے ۔

مسٹر برزنیف کا حالیہ بیان اتہام تراشی اور تضادات کا مجموعہ ہے ۔ ایک طرف تو وہ پاکستان پر افغانستان میں مداخلت کی تہمت لگا رہے ہیں اور دوسری طرف اس خواہش کا بھی اظہار کر کے دنیا کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ افغانستان کا مسئلہ افغانستان اور پاکستان کے درمیان سیاسی سمجھوتے کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے ۔ روسی صدر شاید اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ بار بار پاکستان کو افغانستان کے معاملات میں ملوث کرنے سے دنیا جھوٹ کو سچ تسلیم کرے گی اور پاکستان واقعی افغانستان میں مداخلت کا مجرم ٹھہرے گا ۔

جبکہ پاکستان نے افغانستان سے کسی دور میں بھی مخاصمت اور محاذ آرائی کی راہ نہیں اپنائی ۔ افغانستان تو پاکستان کا برادر اسلامی ملک ہے ۔ اس نے تو بھارت ایسے متعصب اور پاکستان کی سالمیت کے دشمن ملک سے بھی کبھی محاذ آرائی نہیں کی اور ہمیشہ بھارت کو امن آشتی

اور مصالحت ہی کی دعوت دی۔

پاکستان متعدد بار کہہ چکا ہے کہ وہ افغانستان میں مداخلت کے الزام سے بری الذمہ ہے۔ روس ہی نہیں بلکہ دنیا کا جو ملک بھی چاہے اپنی تسلی کر سکتا ہے، مگر روس کے صدر "میں کر" "میں نہ مانوں" کی روش پر گامزن ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے غیرملکی وفود بچشم خود حالات کا جائزہ لے کر برملا کہہ چکے ہیں کہ افغانستان میں پاکستان کسی حیثیت سے بھی ملوث نہیں ہے، سوائے اس کے کہ دس لاکھ بے خانماں افغان باشندے پاکستان ایسے غریب ملک میں پناہ گزیں ہیں اور جن کی ممکنہ دیکھ بھال اور خدمت محض اسلامی اور اخلاقی ناتے سے پاکستان کر رہا ہے۔

رہی افغانستان اور پاکستان میں سمجھوتے اور مسئلہ کے سیاسی حل کی بات، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ روس فوراً افغانستان سے اپنی فوجیں واپس لے جائے اور افغان باشندوں کو ان کی مرضی کے مطابق حکومت چلانے اور منتخب کرنے کا حق دے۔ پاکستان کی روس سے کوئی لڑائی ہے نہ افغانستان سے۔ اس مسئلہ کا سیاسی حل یہی ہے۔ اس کے سوا جو کچھ کہا جائیگا خواہ وہ کوئی کہے خلافِ حقیقت ہوگا۔

مسٹر برزنیف نے اقوام متحدہ کے منشور روس افغانستان سے سمجھوتے سمجھو کی بھی بات کی ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے کھلی کتاب کی طرح دنیا کو معلوم ہے کہ روس نے کس قدر اقوام متحدہ کے منشور پر عمل کیا اور کونسا سمجھوتہ روس اور افغانستان کے درمیان ہوا۔

جناب برزنیف نے ایک اسلامی ملک ایران کو بھی اپنے دوسرے برادر اسلامی ملک افغانستان میں کھلی جارحیت پر احتجاج کرنے اور حقیقت پسندانہ رویہ اپنانے سے روکا ہے جو صرف اسی بڑی طاقت کے سربراہ ہی کے شایانِ شان ہے اور اپنی بہادر فوج کی بھی تعریف و توصیف کے ڈونگرے برسائے ہیں۔ یہی ہیں وہ بہادر افواج جن کے مقابلے میں نہتے افغان باشندے جرأت و بہادری کی داستانیں رقم کر رہے ہیں اور روس کی اس بہادر فوج کو چھٹی کا دودھ یاد آ رہا ہے۔

آتی نہ بڑھا پائی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

علماء اسلامی نظام کیلئے خود کو وقف کر دیں۔

ہمارے اسلاف باطل قوتوں کے سامنے کبھی سرنگوں نہیں ہوئے۔

نظام العلماء پاکستان کے سربراہ مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ نے علماء پر زور دیا ہے کہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں ملک میں اسلامی نظام کو عملاً نافذ کرانے میں صرف کر دیں تاکہ یہ ملک خالص اسلامی مملکت بن سکے۔ انہوں نے کہا کہ علماء کرام وارث انبیاءؑ ہیں۔ انہیں خود بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے اور قوم اور حکمران طبقہ کو بھی اسی راہ پر چلنے کی تبلیغ کریں اور انہیں ایک وحدتِ فکر کی دعوت دیں۔ انہوں نے کہا کہ آج جبکہ فرقِ باطلہ اسلام کے خلاف سازشوں میں معروف عمل ہیں اور متفق و متحد ہیں ہمیں بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اسلام کی سربلندی کے لئے خوب جانفشانی سے کام کرنا چاہیئے۔ مولانا درخواستی نے عوام و خواص سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے تمام تر ذرومی و ذاتی اختلافات بھلا کر ایک بار پھر متحد ہو جائیں اور اغیار پر یہ ثابت کر دیں کہ مسلمان سیسہ پلائی دیوار کی مانند ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تاریخ شاہد ہے کہ ہمارے اسلاف باطل قوتوں کے سامنے کبھی سرنگوں نہیں ہوئے بلکہ متحد ہو کر انکا ہر موڑ پر مقابلہ کیا۔ آخر کار فتح نے ان کے قدم چومے اور وہ سرفراز و کامران ہوئے۔ درخواستی صاحب نے صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کو مشورہ دیا ہے کہ وہ جلد از جلد اس ملک میں اسلامی نظام کے تقاضوں کو پورا کریں کیونکہ سپر پاور ان کے ہاتھ میں ہے اور مارشل لاء کو ختم کریں یا کم از کم اس میں تخفیف کر دیں۔ سیاسی پابندیاں اٹھا دیں اور سنسر شپ بھی ختم کریں تاکہ اس ملک میں سیاسی گھٹن کا خاتمہ ہو اور لوگ آزادی کا سانس لے سکیں اور امن کی زندگی گزاریں۔ انہوں نے کہا کہ اس ملک کی اساس کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر قائم ہوئی اور اسی بنیاد پر مسلمانوں نے عظیم قربانیاں دیں لیکن پاکستان کے برسر آنے والے طالع آزما حکمرانوں نے جھوٹے وعدے کئے اور اس ملک میں اسلامی نظام نافذ نہ ہو سکا۔ انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ اگر اس ملک میں اسلامی نظام عملاً نافذ نہ ہوا تو پھر اس ملک کی خیر نہیں اور قوم کا زوال حتمی اور لازمی ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا آج بھی وقت ہے کہ حکمران و رعایا اپنے روٹھے خدا کو منانے کی کوشش کریں اور دونوں مل کر اس ملک کی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں اور اسلامی نظام کو عملی جامہ پہنانے میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ملک و ملت کی بقاء کا راز اسلامی نظام کو عملاً نافذ کرنے اور باطل قوتوں کی سرکوبی میں مضمر ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ نہ تو امریکہ ہمارا مددگار ہو سکتا ہے اور نہ ہی روس ہمارا امدادی بن سکتا ہے ہماری کامیابی خدا پر مکمل بھروسہ کرنے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے میں ہے۔

بیادِ بخاری

شیخ اکملِ آں بخاریؒ مردِ راہ

امام المجاہدین راس الموحدین قائد تحریک حکومت الہیہ امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو المعطایا شرف الدین احمد عطاء اللہ شاہ بخاری حسنی قادری قدس اللہ سرہ کو ہم سے رخصت ہوئے ۲۱ اگست ۱۹۸۰ء کو پورے انیس برس کا ایک عرصہ گذر چکا ہے مگر دل کی کیفیت سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ہم ابھی ابھی حضرت شاہ جی مرحوم کی تقریر سنکر یا آپ کی مجلس اور محفل سے مستفید ہو کر لوٹ رہے ہیں ـ شاہ جی مرحوم کی زندہ دلی اور وسیع الظرف طبیعت کا صحیح اندازہ وہی لوگ ہی لگا سکتے ہیں جنکو بفضل الٰہی شاہ جیؒ کے ساتھ کم از کم چند لمحات کی صحبت اور رفاقت نصیب ہوئی ہو . مختصر یوں کہ طبیعت میں حسد ـ کینہ اور بغض وغیرہ نام کو نہ تھا . یوں سمجھئے کہ شاہ جیؒ خذ ما صفا ودع ما کدر کی عملی تفسیر تھے ہر آدمی کے اچھے اور عمدہ کام کو خوب سراہتے دل کی گہرائیوں سے خوب داد دیتے . نیز ہر برے کام کے موجد اور خالق کی بھی خوب مٹی پلید کرتے . برائی کر کے حضرت شاہ جیؒ کی زد اور ضرب سے بچ جانا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی تھا . مگر اس کے ساتھ ساتھ مرض سے نفرت مریض سے محبت ، جرم سے کراہت مجرم سے انس ، برائی سے عداوت اور برے سے نرم روی بھی خوب رہی . یہاں تک کہ گندگی اٹھانے والے بھنگیوں کو پکڑ لیتے خود اصرار کر کے ان کے ہاتھ دھلواتے اور اپنے ہمراہ ان کو کھانا کھانے پر مجبور کر دیتے . اس لئے کہ حضرت شاہ جیؒ چھوت چھات کے بالکل قائل نہ تھے . قول اور فعل میں تضاد نام کو نہیں تھا . برطانوی سامراج کے ایسے کٹر دشمن کہ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر یہاں تک فرماتے کہ میں ان چیونٹوں کو شکر کھلانے کے لئے تیار ہوں جو صاحب کو کاٹ کھائیں اور

> میں ان چیونٹیوں کو شکر کھلانے کے لئے تیار ہوں جو صاحب بہادر کو کاٹ کھائیں
>
> اور ان خنزیروں کا ریوڑ چرانے کیلئے بھی تیار ہوں جو اس مہم میں میرا ساتھ دیں۔

ان خنزیروں کا ریوڑ چرانے کے لئے بھی تیار ہوں جو اس مہم میں میرا ساتھ دیں ـ

غرضیکہ حضرت شاہ جی انگریز یا انگریزیت سے کسی قسم کے تعاون کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے . حضرت شاہ جیؒ نے اپنے سراپا طوفانی اور انقلابی زندگی میں اعلائے کلمۃ الحق ، آزادئ وطن اور غلبۂ اسلام کے لئے جو عظیم کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں ان کی طرف اب چند اہل حق ، اہل قلم حضرات یادوں کے جھروکوں سے چند جھلکیاں پیش کرتے رہتے ہیں ، مگر بزبان فاضل اجل حضرت علامہ السید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ جانشین امیر شریعت " آپ کی زندگی گو بظاہر صرف ایک موضوع ہے ، لیکن درحقیقت ان کی تاریخ ساز شخصیت کی بدولت وہ ایک پورے دور اور مکمل عہد کی تہذیبی و معاشی و معاشرتی اور ادبی و ثقافتی اور سیاسی و دینی تاریخ ؟ عجیب و غریب دفتر ہے . یعنی سینکڑوں بلکہ ہزاروں چھوٹے چھوٹے موضوعات کا دائرۃ المعارف اور انسائیکلو پیڈیا ہے . ظاہر ہے کہ موضوع کی عظمت ، اہمیت اور وسعت و گیرائی کے سبب اسے پوری مہارت سے سمیٹنا فنکارانہ ذہانت اور علمی و تحقیقی سلیقہ مندی کے

ساتھ جامع مانع انداز میں اسے مرتب اور شائع کرنا دراصل یہ کام ایک مستقل مجلس تحقیق و تالیف اور اکادمی کا کام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ جیؒ ایک ایسے بے ریا انسان تھے کہ عوام و خواص کو چھوڑ کر بڑے بڑے درویشوں احبار والرہبان بلکہ زہاد و تارک الدنیا میں بھی ایسے انسانِ کامل کا ملنا دشوار ہے شاید کسی صاحب کو میرے اس دعوے سے اختلاف ہو تو میں ان کے سامنے حضرت شاہ جی مرحوم کی زندگی کا ایک انوکھا واقعہ پیش کرتا ہوں۔

حضرت شاہ جی مرحوم کی زندگی کے آخری دور میں آپ کی تصویر اور فوٹو اکثر جرائد میں خصوصی بخاری نمبر شائع کرنے والے رسائل میں چھپ چکی تھیں۔ یہ تصویر ایک مذہبی معتقد کو بھی ملی، جسکو یہ تصویر دیکھ کر بہت دکھ ہوا اور وہ یہ تصویر لے کر ملتان حضرت شاہ جیؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آتے ہی دریافت کیا:

شاہ جیؒ! تصویر شائع کرانا جائز ہے؟

شاہ جیؒ نے فرمایا ہرگز نہیں۔" تو اس نے بہت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے حضرت شاہ جیؒ کی تصویر آپ کے سامنے رکھدی شاہ جیؒ نے غضبناک ہو کر اس تصویر کو جوتوں کی جگہ پر پھینک دیا اور اسی مرید کو فرمایا کہ اس (تصویر) کو جوتے لگاؤ۔ اب وہ بیچارہ حیران ہے کانپ رہا ہے، مگر بخاریؒ کا جلال۔ جوشِ جذبۂ صادق اس رضا کار کو جوتے مارنے کے لئے مجبور کر رہا ہے۔ بالآخر وہ آنسو بہا کر معافی طلب کر کے بیٹھ جاتا ہے تو حضرت شاہ جیؒ نے خود جوتا اٹھایا اور اسی تصویر پر ایک دو تین خود ہی جوتے برسا رہے ہیں۔ ٹھنڈے ذہن و فکر سے غیر جانبدارانہ غور فرمائیے کیا کوئی اس طرح کر سکتا ہے؟ ویسے بھی جب کوئی فوٹوگرافر آپ کی تصویر لینے کے لئے آتا تو اسے دیکھ کر منہ چھپا لیتے اور ڈانٹ کر فرماتے یہ میری تصویر بنا کر کیا کروگے؟

میری تصویر میرے افکار ہیں۔ میرے خیالات کو اتار سکتے ہو تو دل کے فوٹو کسی میں اتار لو۔ یہ سب سے اچھی تصویر ہے۔ دنیا میں نہ سہی عاقبت میں کام آئے گی!

اس کے علاوہ میرے اس دعویٰ کی دوسری دلیل خود حضرت شاہ جیؒ کے اپنے یہ مبارک الفاظ ہیں:

"میری زندگی ہی کیا ہے؟ میں کیا ہوں؟ نہ نبی ہوں نہ ولی خدا کی مخلوق میں سب سے بُرا اور عاجز، میرے گناہوں پر مالک نے پردہ ڈال دیا ہے، ورنہ عطاء اللہ جیسے کروڑوں مارے مارے پھرتے ہیں جنہیں کوئی جانتا تک نہیں یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے قرآن کریم کی کچھ خدمت مجھ سے لے لی اور اس پر بھی کوئی دعویٰ نہیں استغفر اللہ۔ پوری زندگی میں سے کیا ہوا اگر کوئی ایک حرف بھی قبول ہو گیا تو نجات ہو جائے گی۔ انشاء اللہ نجات کی امید ضرور رکھتا ہوں، کیونکہ اتنا مجھے یقین ہے کہ میں نے اس کے سوا کسی خدا کو نہیں مانا اور میاں (حضور علیہ السلام) کے بعد کسی بدمعاش کو ان کا حریف بنتے دیکھا نہیں برداشت نہیں کر سکتا اور کوئی عمل میرے پلے نہیں، اب اس کے فضل و کرم کے سہارے پر ہوں۔"

پھر ایک آدھ واقعہ تو "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ہے، ورنہ سید بخاری ایسے متعدد واقعات سے لبریز ہیں۔ شاہ جی مرحوم اگر چاہتے تو اپنے لئے بہترین قسم کی آرامگاہیں تیار کرا سکتے تھے کارخانے لگوا سکتے تھے، یعنی دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں جسے بخاری حاصل نہیں کر سکتا، مگر اس نے سب کچھ ٹھکرا دیا اور اپنے لئے مصیبتوں کا راستہ اختیار فرمایا جو بظاہر تکلیفوں اور مصیبتوں کی آماجگاہ تھا۔ وہ کونسی مصیبت ہے جسے بخاری نے برداشت نہ کیا ہو۔ چکی پیسی، ماریں کھائیں، قیدِ تنہائی کاٹی، ہتھکڑی اور جولان تک پہنے۔ اس راہِ حق میں آپ کو زہر دی گئی۔ متعدد بار قاتلانہ حملے ہوئے یعنی سب کچھ ہوا جس سے بڑے بڑے لوگوں کے قدم متزلزل ہو جاتے ہیں، مگر الحمدللہ حضرت شاہ جیؒ ثابت قدم رہے، رواں دواں رہے مگر ناموری اور لیڈری سے کوسوں دور بلکہ جو آدمی حضرت شاہ جیؒ کے ملی، مذہبی، سیاسی اور ملکی کارناموں کو اچھالنے کی کوشش کرتا تو اس کی رکاوٹ کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ خود شاہ جی ہوتے۔ ہمارا یہ دور ایسا ہے کہ ہر آدمی اپنے بیانات اخبارات میں دیکھنا چاہتا ہے، مگر پیر بخاریؒ اخبارات کے ایڈیٹروں سے بڑے اچھے تعلقات کے باوجود اخبارات میں چھپنے سے بھی بیزار ہی رہے۔ محترم آغا صاحبؒ رقم طراز ہیں:

"شاہ جیؒ کی دو تہائی زندگی سیاست میں کٹی۔ ہندوستان کا کونا کونا چھان مارا۔ ان دنوں کے سوا جو قید خانے میں بسر ہوئے کوئی دن بھی تقریر کے بغیر نہ گذرا۔ سینکڑوں قومی و ملکی مسائل پیدا ہوئے، اور ہر مسئلہ پر لوگوں سے کہا سنا، لیکن اخباروں میں بیان بازی سے ہمیشہ گریز کیا۔ جبات اور جب نامہ نگاروں نے گھیرا دامن چھڑا لیا۔

تمام عمر کسی عنوان سے اخبارات میں کوئی بیان نہیں دیا۔ اس اعتبار سے ان کی زندگی میں ایک دلچسپ خموشی تھی۔ مجلس احرار نے اپنا اخبار جاری کیا لیکن وہاں بھی کبھی کوئی بیان نہیں چھپوایا جو بیان یا پیغام ان سے منسوب ہیں ان میں بھی ان کی منشا تھی، قلم نہیں۔ تمام بڑے ایڈیٹروں سے ان کے تعلقات رہے لیکن چھپنے چھپانے سے ذرا بھی کیا۔ کسی نامہ نگار نے گھیر لیا، کوئی سٹاف رپورٹر آنکلا یا کسی نمائندے سے ٹکر ہو گئی اور وہ سوال کر رہا ہے "شاہ صاحب فلاں مسئلے پر آپ کا کیا خیال ہے؟ شاہ صاحب کنی کترا کے نکل جاتے۔ فرماتے بھائی میں آج کل قرآن مجید کی فلاں آیت پر غور کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے فلاں فلاں مفسّر نے اس بارے میں ٹھوکر کھائی ہے البتہ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ میں بات ابھر گئی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تفسیر سامنے نہیں ہے غالباً انہوں نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے۔"

سبحان اللہ! یہ ہے اسلاف کے نقش قدم کی عین پیروی۔ حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ مولویت میرے اندر نہ ہوتی تو اپنے آپ کو ایسا فنا کر دیتا کہ کسی کو یہ علم بھی نہ ہوتا کہ محمد قاسم نام کا کوئی آدمی دنیا میں آیا تھا (اللہ اکبر)

بعینہ یہی جذبہ صادق بخاری صاحب رہ کے اندر کام کر رہا تھا، مگر جس طرح حضرت بانی دارالعلوم دیوبندؒ نے اپنے آپ کو مٹانے کی کوشش کی مگر آپ کا نام مشرق و مغرب کے کونے کونے میں پھیل گیا، اسی طرح حضرت شاہ جیؒ نے بانی دارالعلوم دیوبندؒ سے بھی بڑھ کر اپنے نام کے مٹانے کی کوشش کی مگر قدرت نے آپ کو اپنی کائنات میں ایسا منور اور روشن کر دیا کہ آج انیس سال گذرنے کے باوجود بچہ بچہ شاہ جیؒ کا نام سن کر عجیب قسم کی فرحت و انبساط محسوس کرتا ہے۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبال مرحوم نے کیا ہی خوب فرمایا ہے

ع ہر واعظ و ناصح بخاری نہیں ہوتا

اگر شاہ جی خود قلم اٹھاتے اور کم از کم حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ کی طرح اپنی خود نوشت سوانح ہی لکھ ڈالتے تو تاریخ اسلام کے کئی باب ہمارے سامنے الم نشرح ہوتے۔ مگر افسوس کہ اس وقت کے حلقۂ احباب اور متعلقین کے شدید مطالبے کے باوجود بھی آپ نے قلم نہ اٹھایا۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم نے بہ اصرار عرض کیا کہ شاہ جی اپنی سوانح عمری لکھیئے!

فرمایا: کس لئے؟

آغا صاحبؒ: ہمارے لئے۔

فرمایا: تیس بتیس برس تم لوگوں میں جھک مارتا رہا ہوں۔ اس سے تم نے کیا حاصل کیا جو اب چند اوراق کی کہانی سے حاصل کروگے؟

آغا صاحبؒ: اچھا اپنے لئے لکھئے۔

فرمایا: میں لکھی لکھائی کہانی ہوں۔ اپنے تئیں روز پڑھ لیتا ہوں۔

آغا صاحبؒ: بہرحال شاہ جی! اس طرح ایک تاریخ ہو جائے گی۔

فرمایا: چھوڑو ہی بات۔ تاریخ کیا اور کس کے لئے۔ پہلے ہی لوگوں نے تاریخ سے کون سا سبق لیا ہے کہ اب اپنی زندگی لکھنے بیٹھوں۔

آغا صاحبؒ: شاہ جی! یہ زبان کا نہیں قلم کا زمانہ ہے۔

فرمایا: ٹھیک ہے بھائی لیکن لکھوں کیا؟

آغا صاحبؒ: کچھ تو کہئے کہ زمانہ گوش بر آواز ہے۔

فرمایا: ہائے ذوق ساری سوانح عمری اس شعر میں کہہ گیا ہے ؎ (لئے میاں)

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

آغا صاحبؒ: چلئے اسی شعر کو طرز عنوان بنا کر بسم اللہ کیجئے

فرمایا: خوب، آخر صحافی ہونا قلم اٹھایا اور صفحوں کے صفحے سیاہ کر ڈالے۔ زندگی میں محض سوانح ہی نہیں ہوتے؟ کچھ اور چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ بعض گفتنی بعض ناگفتنی — ناگفتنی میں کام کی کوئی چیز نہیں اور گفتنی میں خرافات ہی خرافات ہیں۔ آج سے چوتھائی صدی پیشتر ایک سفر شروع کیا تھا تب بے شمار لوگ شریک راہ تھے۔ ہر پڑاؤ پر قافلہ گھٹتا ہی رہا حتی کہ ؎

منزل عشق پہ تنہا پہنچے کوئی تمنا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کے اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

کچھ دوست راستہ بدل گئے۔ کچھ اپنے ہی تعاقب میں پیچھے لوٹ گئے۔ اکثر بچھڑ گئے بیشتر بچھڑ گئے ؎

اے ہم نفساں آتشم از من بگریزید
ہر کس کہ شود ہمرہ ما دشمن خویش است

دوستوں سے فریب نہیں کیا۔ دشمنوں سے انتقام نہیں لیا۔ ذاتی دشمن بنائے ہی نہیں اور نہ ہی بننے کی کوشش کی جس شخص کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ انگریز دوست ہے اس سے کنارہ کیا۔ جس نے ملی مقاصد سے بدعہدی کی اس سے علیک سلیک کو بھی عار سمجھا۔ اس سارے سفر کا حاصل یہ ہے کہ لگاتار چالیس برس لوگوں کو قرآن سنایا۔ پہاڑوں کو سناتا تو عجب نہ تھا کہ ان کی سنگینی کے دل چھوٹ جاتے۔ غاروں سے ہمکلام ہوتا تو جھوم اٹھتے۔ چٹانوں کو جھنجھوڑتا تو چلنے لگتیں۔ سمندروں سے مخاطب ہوتا تو ہمیشہ کے لئے طوفان بکنار ہو جاتے۔ درختوں کو پکارتا تو دوڑنے لگتے۔ کنکریوں سے کہتا تو وہ لبیک کہہ اٹھتیں صرصر سے گویا ہوتا تو وہ صبا ہو جاتی —

دھرتی کو سناتا تو اس کے سینے میں بڑے بڑے شگاف پڑ جاتے۔ جنگل لہرانے لگتے۔ صحرا سر سبز ہو جاتے۔ افسوس میں نے ان لوگوں میں معروفات کا بیج بویا جن کی زمینیں ہمیشہ کے لئے بنجر بن چکی تھیں۔ جن کے ضمیر قتل ہو چکے تھے۔ جن کے ہاں دل و دماغ کا قحط تھا۔ جن کی پستیاں انتہائی خطرناک تھیں۔ جو برف کی طرح ٹھنڈے تھے۔ جن میں ٹھہرنا المناک اور جن سے گذر جانا طربناک تھا۔ جن کے سب سے بڑے معبود کا نام طاقت تھا۔ جو صرف طاقت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ تیرہ سو برس کی تاریخ انہی حادثوں کی کہانی ہے۔ (سید عطاء اللہ شاہ بخاری)

شاہ جیؒ کے ان فرمودات کے بعد کیا کسی قسم کے شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ آپ نے اپنے دور میں کاغذ و قلم کی صحبت سے کیوں گریز فرمایا؟

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

۱۴ ادیں صدی کے مبلغ اعظم کے ان تاثرات کا گہرے فکر سے تجزیہ کیا جائے تو آپ کے ان چند جملوں کی روشنی میں بھی شاہ جیؒ کی قوم سے ناراضگی اور برہمی بے مقصد نہیں۔ شاہ جیؒ نے بے لوث تبلیغ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح کوئی کمی نہیں کی۔ ہر جگہ وہی آواز لگائی کہ وما اسئلکم علیہ من اجران اجری الا علی رب العلمین

مگر افسوس بزبان شاہ جیؒ آپ کی داڑھی کے بال تو سفید ہو گئے مگر قوم کے دلوں کی سیاہی دور نہ ہو سکی۔ اب تو شاہ جی اگر یہ دعا فرماتے کہ،

رَبّ لا تذر علی الارض
من الکافرین دیارا انک
ان تذرھم یضلوا عبادک
ولا یلدوا الا فاجرا کفارا۔

تب بھی آپ حق بجانب ہوتے مگر آپ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بھی دعا فرماتے رہے:

اللھم اھد قومی فانھم
لا یعلمون

آزادیٔ وطن کے لئے شاہ جی کی خدمات

آجکل کی متعدد وباؤں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر آدمی اپنے آپ کو محب وطن قرار دے کر آزادیٔ وطن کے رہنماؤں اور

آپ کی داڑھی کے بال تو سفید ہو گئے
مگر قوم کے دلوں کی سیاہی دور نہ ہو سکی

مجاہدین کو غداری اور پاکستان دشمنی کا سرٹیفکیٹ دے دیتا ہے۔ سیدنا حضرت امیر شریعت (رحمۃ اللہ علیہ) نے سامراج سے اور انگریز پرستوں سے پوری زندگی بے خوف و خطر ہو کر مردانہ وار مقابلہ کیا۔ آپ کی بہادری اور شجاعت سے خیر القرون کی یاد تازہ ہو جاتی ہے مگر یا للعجب! آپ کو بھی ہوس پرستوں اور ابن الوقت لوگوں نے معاف نہیں کیا۔ آئے دن اخبارات میں دیگر محبین وطن مجاہدین اسلام کے ساتھ ساتھ حضرت امیر شریعتؒ جیسی پاک و صاف شخصیت کو چونکہ چنانچہ جیسی جھوٹی روایات کا سہارا لے کر پاکستان دشمن قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ آزادیٔ وطن میں شاہ جیؒ نے عدیم المثال قربانیوں کا مظاہرہ کیا۔ تاریخ اور سیرِ بخاری میں وہ واقعہ کتنا روح افزوز اور جرأت مندانہ ہے جبکہ آپ چاندنی میں قرآن کریم تلاوت فرما رہے تھے اور آپ کا خیال یہ تھا کہ میری اس تلاوت کو رب کریم جل جلالہ کے سوا اور کوئی نہیں سن رہا، مگر مڑ کر دیکھا تو وائسرائے ہند آپ کے پیچھے کھڑا آنسوؤں اور پسینہ سے شرابور تھا۔ آنکھیں چار ہوتے ہی گویا ہوا:

"شاہ جی! میرے لائق کوئی خدمت؟"

مگر شاہ جی نے روکھا سا جواب دیا: "میں صرف اپنے خدا سے ہی سوال کیا کرتا ہوں"۔

"نہیں شاہ جی! آپ کو تیرے خدا کا واسطہ ہے مجھے خدمت کا موقع ضرور دیجیئے۔ آپ کی خدمت کر کے میں دلی خوشی محسوس کروں گا۔"

ارشاد ہوا: اچھا میرا ملک چھوڑ دیجیے اور ہمیں آزادی دیجیے۔"

یہ سن کر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا، مگر شاہ جی اسی طرح مست نہ خوف نہ ہراس۔ طوالت مضمون کے باعث بقیہ واقعات کسی اور صحبت کے لئے امانت رہے۔ پھر آزادیٔ وطن کے بعد پاکستان کی بھرپور اسلامی، اخلاقی اور ہر طرح کی بے لوث خدمات پورے ۱۴-۱۵ برس تک انجام دیتے رہے، اور اکثر فرمایا کرتے تھے،

"میں نے جو کچھ کیا اللہ اور اس کے رسول کے لئے کیا۔ مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں ہے۔ میرا دماغ غلطی کر سکتا ہے، لیکن میرے دل نے کبھی غلطی نہیں کی ہے۔ مجھ سے وفاداری کا ثبوت مانگنے والے پہلے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وفاداری کا ثبوت دیں۔ میں ان لوگوں سے نہیں ہوں جو اپنا ضمیر

سوداگری کرتے ہیں۔ اس شخص کو میں دھوپ چھاؤں کی اولاد سمجھتا ہوں جو قوم کو بیچتا پھرتا، ملک سے غداری کرتا اور جس ہنڈیا میں کھاتا ہے اسی میں چھید کر ڈالتا ہے۔ میں نے صرف ایک اللہ سے جھکنا سیکھا ہے۔ میں اُن لوگوں کا وارث نہیں ہوں جنہوں نے درباروں کی دہلیز میں چاٹی ہیں۔ میں ان لوگوں کا وارث ہوں جو شہادت کے راستہ میں سر کو ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔ میں پاکستان سے اتنی ہی محبت کر سکتا ہوں جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے۔ میں قول کا نہیں عمل کا آدمی ہوں۔ مجھے خوشی ہوئی اور مجھے خوشی ہے کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ میں دنیا کے کسی حصّہ میں سامراج کو نہیں دیکھ سکتا۔ میں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اب پاکستان بن گیا ہے اس نے جب بھی مجھے پکارا واللہ باللہ میں اس کے ذرّے ذرّے کی حفاظت کروں گا۔ پاکستان مجھے اتنا عزیز ہے جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے۔ میں قول کا نہیں عمل کا آدمی ہوں۔ اگر اس کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو وہ پھوڑ دی جائے گی اور کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ کاٹ دیا جائے گا۔ میں اپنے وطن عزیز کے مقابلے میں نہ اپنی جان کو عزیز سمجھتا ہوں نہ اولاد کو۔ میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا اور اب بھی تمہارا ہے۔

(از سیدنا حضرت امیر شریعتؒ)

دورانِ تقریر کسی صاحب نے دریافت کیا کہ شاہ جی ملکی معاملات میں آپ کی کارگزاری (CONTRIBUTION) کیا ہے؟ اور وہ کونسا مثبت نظریہ ہے جس کے لئے آپ آزادئ وطن کے لئے کام کر رہے ہیں؟

فرمایا: یہ فیصلہ تو مجھ سے دریافت کرنے کی بجائے آپ کو ہی کرنا چاہیئے تھا کہ ملکی سیاسیات میں میری (CONTRI-BUTION) کیا ہے۔ ہاں میں تو خلوص نیت سے یہ جانتا ہوں کہ میں نے لاکھوں ہندوستانیوں کے ذہن سے انگریزوں کو نکال پھینکا ہے میں نے کلکتہ سے خیبر تک اور سری نگر سے راس کماری تک خوب دوڑ لگائی ہے اور وہاں پہنچا ہوں جہاں دھرتی پانی نہیں دیتی۔ رہا یہ سوال کہ آزادی کا وہ کونسا تصور ہے جس کے لئے میں لڑ رہا ہوں تو سمجھ لیجئے اپنے ملک میں اپنا راج آپ غالباً مجھ سے کسی کتابی آئیڈیا لوجی کا پوچھ رہے ہوں گے؟ بابو یہ کتابی نظریے محض تاثر روگ ہوتے ہیں۔ فی الحال جو مرحلہ درپیش ہے وہ کسی مثبت تصور کا نہیں منفی تصور کا ہے۔ ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ غیر ملکی طاقت سے گلو خلاصی حاصل ہو۔ اس ملک سے انگریز نکلیں۔ نکلیں کیا؟ نکالے جائیں تب دیکھا جائے گا کہ آزادی کے خطوط کیا ہوں گے۔ آپ تو نکاح سے پہلے چھوارے بانٹنا چاہتے ہیں۔ پھر میں کوئی دستوری نہیں سپاہی ہوں۔ تمام عمر انگریزوں سے لڑتا رہا اور لڑتا رہوں گا۔

(سید عطاء اللہ شاہ بخاری)

لیکن متعصب ذہن کے لئے یہ چند واقعات بھی تسلی اور شاہ جیؒ کی عظمت کے لئے کافی ہیں، مگر جب دلوں میں زیغ ہے ؎

ایسے ظالم کا کیا کرے کوئی

افسوس ہے کہ پہلی حکومتوں نے تو اس مرد مجاہد کے مرتبہ کو نہ پہچانا اور عوامی مطالبہ کہ شاہ جیؒ کا یوم سرکاری طور پر ۲۱ اگست کو منایا جائے' پر کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ جب حکومت کسی صالح آدمی کے ہاتھ لگے گی تب ضرور اس مجاہد اعظمؒ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے آپ کا یوم سرکاری طور پر منایا جایا کرے گا تاکہ نئی نسل ان بزرگوں اور راہنماؤں کے کارہائے عظیم سے روشناس رہے۔ اس مقصد عظیم کی تکمیل کے لئے جناب جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت کا فرض ہے کہ ایسے مرد مجاہدین کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے حضرت سیدنا امیر شریعتؒ کی اس انیسویں برسی سے افتتاح کرتے ہوئے قوم کے ایک دیرینہ اور جائز مطالبہ کو شرف قبولیت بخش کر ہر سال سرکاری طور پر حضرت شاہ جیؒ کی برسی منانے کا اعلان کرے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے

فضل ہوزری

کی معیاری مصنوعات
بنیان جالی۔ سمر کنگ۔ انٹرلاک
اور جراب
منفرد مقام کی حامل ہیں
ہر سائز۔ ہر قسم۔ ہر جگہ دستیاب ہیں۔

فضل ہوزری
جناح کالونی' فیصل آباد

جشن دارالعلوم دیوبند کا فیضان

علم اگر خود شناسی اور خدا شناسی کا نام ہے تو دارالعلوم دیوبند سے بہتر کوئی اس کا مرکز نہیں ہے۔ جو لوگ اس عظیم درسگاہ کے جشن صد سالہ میں شریک ہونے کے لئے گئے وہ مزدور کچھ نہ کچھ لے کر لوٹے ہوں گے، لیکن میں وہاں سے بہت کچھ لے کر آیا ہوں۔

اس ارض مقدس کی زیارت کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور ان علمائے حق کی قیمتی صحبت اور بابرکت دعاؤں سے فیض یاب ہوا جو کردار وعمل کے اعتبار سے صحابہ کرامؓ کا پرتو ہیں اور جن کی پاکیزگی وطہارت کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ پچاس ہزار نفوس کی چھوٹی سی بستی میں لاکھ زائرین کا بوجھ برداشت کر گئی۔ اڑھائی لاکھ انسانوں کے قیام وطعام کا انتظام تھا، لیکن پندرہ لاکھ سے زائد مہمان اس کے دامن میں سما گئے۔ سہ روزہ تقریبات کے دوران کوئی ناخوشگوار حادثہ پیش نہیں آیا۔ نہ کوئی جھگڑا نہ دنگا، نہ کسی قسم کی ہلڑ بازی اور غنڈہ گردی۔ کسی کی جیب نہیں کاٹی گئی، کسی کا سامان نہیں چوری ہوا۔ کسی خاتون کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا گیا حالانکہ اجتماع کے مقابلے میں پولیس کی نفری بالکل معمولی تھی اور رضاکاروں کا کوئی باقاعدہ دستہ موجود نہیں تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جو لوگ وہاں پہنچے۔ ان کے دلوں میں خوف خدا طاری تھا اور انہیں احساس تھا کہ اس پاک سرزمین پر کی گئی کوئی غلطی بارگاہ اق[illegible] بخشی نہیں جائے گی۔

اس تجربہ یا تاثر کے بعد میرا یہ عقیدہ اور بھی مستحکم ہو گیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان دنیا کے سب سے اچھے مسلمان ہیں۔

میں وہسکی بہت کم پیتا ہوں، کبھی کبھی دوستوں کے اصرار پر کسی محفل میں ایک دو پیگ لے لیتا ہوں۔ دیوبند جا کر جب یہ پتہ لگا کہ جناب جگر مرادآبادی جیسے رند بلانوش نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ملاقات کرنے کی غرض سے شراب نوشی سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے توبہ کر لی تھی کیونکہ انہیں گوارا نہ تھا کہ وہ وقت کے سب سے بڑے مفسر قرآن کے پاس جائیں اور ان کی آنکھوں میں شراب کی مستی چھلک رہی ہو تو میں نے بھی دل میں عہد کر لیا کہ آئندہ ام الخبائث کو منہ نہیں لگاؤنگا۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ ۱۹۴۷ء میں پنجاب میں جو ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا دارالعلوم کے اکابر سے اس کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں مالک دو جہاں کے انصاف کا قائل ہو گیا۔ کئی بار کشاکش غم ہستی سے گھبرا کر خالق ازل پر ایمان متزلزل ہوا۔ اپنی حالت زار کو دیکھ کر کئی بار میں نے اس کے انصاف کی شکایت کی ہے، لیکن اس واقعہ کی تفصیل معلوم ہونے کے بعد رب العالمین کے عدل وانصاف کے بارے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ خدا ہر بشر کو توفیق دے کہ وہ زندگی میں ایک بار دارالعلوم کی زیارت کا ثواب حاصل کرے۔ پڑھنے والوں سے التجا ہے کہ یہ واقعہ ان کے لئے عبرت کا باعث ہو تو اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعائے خیر کریں۔

(وشوا ناتھ، چنڈی گڑھ)

> میں نے بھی دل میں عہد کر لیا کہ آئندہ
> ام الخبائث کو منہ نہیں لگاؤں گا

مجلس احباب کراچی
کے استقبالیہ سے خطاب

پروفیسر ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

میری علمی زندگی کے مربّی اور محسن

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

امّا بعد!

جناب صدر! معزز مہمان خصوصی
میرے بزرگو اور دوستو!

ابھی آپ حضرات کے سامنے بعض عزیزوں نے اس گنہ گار کے بارے میں جن افکار و خیالات کا اظہار کیا ہے، مجھے معلوم ہے کہ وہ خوبیاں مجھ میں نہیں، لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کی محبت اس سے کم درجہ کے خیالات اور الفاظ گوارا ہی نہ کر سکتی تھی۔

اس کے بارے میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے حسنِ ظن کرمانہ کا اہل بنائے اور انہی بزرگوں کے قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جن کے نام اور کام کی عظمت نے ان کے نیاز مندوں اور نام لیواؤں کے لئے بھی محبت کرنے والوں کا ایک حلقہ پیدا کر دیا ہے۔ میں آپ حضرات سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی توفیق اور خاتمہ بالخیر کے لئے دُعا کی درخواست کرتا ہوں۔

اس خاکسار نے اس موقع کے لئے اپنے علمی محسنوں اور بزرگوں کے بارے میں ایک مختصر سی تحریر لکھی ہے، اسے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس میں میری طالب علمانہ زندگی کے بعض سوانح اور افکار و عقائد کے متعلق بعض اشارات بھی آگئے ہیں۔

میری ماں:

میری کامیابی میں سب سے زیادہ حصہ اس شخصیت کا ہے جو میری ماں تھی۔ وہ اگرچہ خود پڑھی ہوئی نہیں تھی، لیکن میری علمی ترقی اور کامیابی اُسی کی دُعاؤں کا نتیجہ ہے۔ وہ ہمیشہ میرے لئے دُعا کرتی کہ اللہ تعالیٰ مجھے میرے ماموں کی طرح پڑھا لکھا کر قابل بنائے۔ جب میں نے ماموں کے برابر ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد اس سے بڑا امتحان پاس کر لیا تو وہ میری اس کامیابی کو دیکھنے کے لئے زندہ نہیں تھیں۔ انہوں نے میری چھوٹی چھوٹی کامیابیوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کیا تھا۔ اگر وہ زندہ ہوتیں تو اس بڑی کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا کتنا شکر ادا کرتیں، کتنی بار سجدے میں گرتیں، کتنی نمازیں پڑھتیں، کتنے روزے رکھتیں اور اللہ تعالیٰ کے احسان کے شکریے میں خیرات کرتیں۔ وہ ایک سیدھی سادھی مسلمان خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے والدین کو دیکھا تھا کہ جب انہیں خوشی حاصل ہوتی یا غم پہنچتا، وہ اللہ کو یاد کرتے تھے، اسی کی مدد کے طالب ہوتے تھے، اور یہی اعمال وہ بھی وہ ادا کرتیں۔

میرے باپ

میرے باپ معمولی پڑھے لکھے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے بچپن میں کریما، خالق باری اور گلستان بوستاں وغیرہ کتابیں پڑھی تھیں۔ ان کے سینکڑوں اشعار و حکایات انہیں از بر تھیں جو وہ اپنی گفتگو میں موقع اور محل سے پڑھتے اور سناتے تھے۔ یہ اشعار ہمیشہ اخلاقی مضامین پر مشتمل اور نصیحت آمیز ہوتے۔ یہ بات میں صرف اس بنا پر کہتا ہوں کہ ان کے پڑھنے اور پیش کرنے کا موقع ایسے ہی شعر یا حکایت کا متقضی ہوتا تھا۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ ان کے کن اساتذہ اور کن بزرگوں کا فیضانِ صحبت تھا کہ وہ ہر بات کے لئے سند کتاب و سنت سے طلب کرتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف تو بات بات پر نکلتی اور اس کے متعلقہ ابواب کھول لیے اور پڑھے جاتے۔ میری حرف شناسی کی صلاحیت کے نشوونما کے بعد تو وہ اکثر مجھ سے پڑھواتے تھے اور الفاظ کا غلط تلفظ کرنے پر ٹوکتے تھے۔

کتاب و سنت سے میرے انسلاک و تعلق کا پہلا رشتہ یہیں قائم ہوا۔

میرے سیاسی افکار کی تعمیر کی پہلی اینٹ بھی انہی نے رکھی۔ میرے ماموں مقصود حسن خاں کے پاس "مدینہ" بجنور آتا تھا۔ وہ اسے بڑے غور سے سنتے تھے۔ ماموں کبھی شہر جاتے تو "الجمعیۃ" لے آتے تھے یا کبھی کوئی اور لے آتا تھا تو اس کی خبروں اور مضمونوں کو بڑی توجہ سے سنتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ انہوں نے میرے انہی ماموں سے علاقہ کے چند مسلمان زمینداروں کے متعلق دریافت کیا تھا:

"مقصود دادا! یہ اپنے مسلمان کاشتکاروں کو انسان تک تو سمجھتے نہیں، اچھا برتاؤ تو کجا؟ ان کی زمینداری میں انہیں پیٹ بھر روٹی اور تن ڈھانپنے کو کپڑا تک تو میسر نہیں آتا۔ ان کی تحقیر و تذلیل سے انہیں خوشی ہوتی ہے۔ خود زنڈیوں کا پورا گاؤں آباد کر رکھا ہے۔ حرام خوری اور حرام کاری ان کی معاشرت و معیشت کا جزو بن چکی ہے۔ زمیندار کی حیثیت سے ان کا کردار کسی بھی غیر مسلم زمیندار سے مختلف نہیں۔ یہ اچانک ان کے دل میں اسلام کا درد اور لا الٰہ الا اللہ کی حکومت کے قیام کا جذبہ کیسے پیدا ہو گیا؟"

یہ میری عمر کی ایسی منزل تھی کہ میں اس بات کو سمجھ نہ سکا تھا۔ اس کا اندازہ اب کرتا ہوں۔ یہ میرے سیاسی افکار کی تعمیر کی پہلی اینٹ تھی۔

یہ بات میرے علم میں بہت بعد میں آئی کہ قرآن کی حکومت کے قیام کی دعوت کے کتنے ہی رہنما وراثت کے معاملے میں انگریز کی حکومت کو یہ لکھ کر دے چکے تھے کہ ہم وراثت میں لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے۔ ہمارا عمل قرآن پر نہیں رواج پر ہے، اس لئے وراثت و ملکیت کے تمام مقدمات میں ہمارا حَکَم قرآن نہیں ہوگا۔ ہمارے مقدمات کا فیصلہ ہمارے رواج کے مطابق کیا جائے۔

میرے چچا:

نوشت و خواند کی معمولی صلاحیت پیدا ہونے کے بعد میری تعلیم و تربیت کا دوسرا مرحلہ میرے چچا مولوی محمد عبدالہادی خاں کی نگرانی میں طے ہوا۔ وہ ادیب بھی تھے، شاعر بھی تھے اور مصنف بھی۔ لیکن ان تمام حیثیتوں پر ان کا مطالعہ اور علمی ذوق چھایا ہوا تھا۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر عبداللہ بٹ مرحوم کی کتاب نئی نئی آئی تھی۔ ایک روز ایک دوست سے، انہوں نے اس کی بڑی تعریف کی۔ مجھے مطالعہ کا نیا نیا شوق ہوا تھا، کتاب کی یہ تعریف میرے سمندِ شوق پر تازیانہ بنی۔ میں نے یہ کتاب پڑھ ڈالی کچھ سمجھا اور کچھ نہیں سمجھا، لیکن حضرت شہیدؒ کے افکارِ حقہ کی سادگی، ان کی زندگی کی سادہ روش، ان کی بے داغ سیرت اور ان کے بہادرانہ کارناموں کا نقش دل پر ثبت ہو گیا جو آج تک گہرا اور اُجلا ہوتا رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو میں نے ان کے اسی خلفِ سعید کے ذریعہ سے پہچانا اور ان کے مطالعے کی نوبت بہت بعد کو آئی۔ یہی زمانہ تھا جب حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تعارف کی سعادت حاصل ہوئی۔ شاہجہانپور میں مقامی جمعیۃ علمائے ہند کا ایک جلسہ تھا۔ حضرت مدنی علیہ الرحمہ مقرر تھے۔ ابھی تقریر شروع ہوئی تھی کہ شرفائے لیگ کے تربیت یافتہ نوجوان ہنگامہ کرنے پر مستعد ہو گئے۔ کچھ سامعین بھی شامل شور و غل مچا رہے تھے۔ کچھ گرفتاران سادہ لوح تھے جنہیں نہ سیاست کا علم تھا نہ اخلاق و تہذیب سے آشنا تھے، اسٹیج کے پیچھے ٹین ڈبے بجا کر مقرر محترم کی آواز کو دبانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس وقت میرے قلب پر ان نوجوانوں اور سادہ لوحوں کی غنڈہ گردی کا اثر زیادہ اور حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے ضبط و تحمل اور صبر و استقامت کا اثر کم ہوا تھا، لیکن بعد میں مجھے اس سکوت و تحمل میں زیادہ عظمت نظر آئی اور ان نوجوانوں اور ان کے مربی بزرگوں کی اس غیر اخلاقی سوز حرکات کا اثر رفتہ رفتہ قلب سے دُور ہو گیا۔ لوگوں نے نوکیۃ اللہ کے مناسک حج و طواف جیسی پُر وقار عبادت کو ناچ، ڈھول اور تالیوں کا مجموعہ بنا دیا تھا۔ یہاں تو صرف یہی شکایت تھی کہ اختلاف کے حدود کا انہوں نے خیال نہ رکھا تھا یا عام زندگی میں اسلامی اخلاق اور تہذیبی روایات کو پامال کر رہے تھے۔

یہ میرے چچا جو بعد میں میرے خسر بھی ہوئے اپنے عقائد اور سیرت کی پختگی کے لحاظ سے شاہجہانپور میں ایک خاص شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا خاصا بڑا حصہ دہلی میں گزارا تھا۔ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ شاہجہانپوری ثم دہلوی کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے۔ اس لئے مدرسہ امینیہ کی طالب علمی اور اینگلو عربک اسکول کی معلمی کے زمانوں میں اس وقت کے تمام اکابر سے ان کے نیازمندانہ اور نوجوانوں سے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مفتی کفایت اللہؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مفتی عتیق الرحمٰنؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور دوسرے علمائے دیوبند سے میری عقیدت اور ارادت کے رشتے اسی زمانہ میں اور عم محترم کے فیضانِ صحبت سے استوار ہوئے۔ وقت کے دوسرے اکابر حکیم محمد اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا محمد علی وغیرہ کے تذکار گھر کی صبح و شام کی زندگی میں گفتگو کا عام موضوع تھے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ عم محترم کی گفتگو کا ہر جملہ جو ان بزرگوں کی عقیدت اور محبت میں ڈوبا ہوتا تھا اپنا اثر چھوڑ جاتا تھا۔ یہی گفتگو جو وہ کبھی مجھے مخاطب کر کے کرتے تھے یا کسی دوست یا مہمان کی موجودگی اس کا محرک ہوتی تھی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت گرامی اور فضائل و کمالات کے تعارف کا ذریعہ بنی۔ سفرنامۂ اسیرِ مالٹا سے استفادے کا موقعہ مجھے بعد میں ملا۔ لیکن حضرت شیخ الہندؒ کی سیرت اور عظمت، اخلاص و للہیت اور امت کی غم گساری اور

اور اسلام کی سربلندی کے لئے ان کے اضطراب کے اندازے کے لئے امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے چند جملوں نے جو اثر کیا وہ کسی تذکرے اور تصنیف کے مطالعہ سے بھی پیدا نہ ہوا ، نہ پہلے نہ بعد میں ۔ حضرت مولانا آزاد نے یہ چند جملے اپنے اس خطبۂ صدارت میں کہے تھے جو جمعیۃ العلمائے ہند کے اجلاس ۱۹۲۱ء منعقدہ لاہور میں انہوں نے دیا تھا ۔

میں اپنے چچا کا اپنے اوپر بڑا احسان سمجھتا ہوں کہ انہوں نے علمائے حق کے اس سلسلۃ الذہب سے میرا تعلق قائم کر دیا ۔ یہ رشتۂ انسلاک وقت کے اکابر علماء کے واسطے سے حضرت شیخ الہندؒ حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا مملوک علی شاہ اسحٰق و یعقوب اور پھر ان سے اوپر حضرت مجدد و شہید مولانا شاہ اسماعیل اور پھر ان کے جدِ محترم حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان سے اوپر علمائے محققین حدیث کے واسطے سے قرن اولیٰ تک پہنچتا ہے ۔

یہی میرے عم محترم تھے جن کے ادبی ذوق نے غبارِ خاطر تک رہنمائی کی ۔ غبارِ خاطر نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات و مضامین اور تذکرہ و ترجمان القرآن کے مطالعہ کا اشتیاق پیدا کیا اور حضرت مولانا کے علوم و معارف کے گنجینوں نے ایک خاص انداز سے اپنے اثرات مرتب کرنے شروع کر دیئے ۔ خصوصاً تذکرہ کے مطالب و مباحث نے دل پر خاص اثر چھوڑا ۔ حضرت امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ ، حضرت امام ابن تیمیہؒ ، امام ابن قیمؒ، عبدالعزیز کنعانیؒ ، سید محمد مہدی جونپوریؒ ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہم کے افکار و سیر نے فکر و اعتقاد کا ایک سانچہ تیار کیا ۔ حضرت مولانا آزادؒ کے دور کے علماء میں خاندان سعادت قصور کے ارکان رفیع الشان امرتسر کے غزنوی خاندان کے اکابر و معاصر کے علم و فضل ، خدمات ، سیرت اور کارناموں اور پنجاب کے دیگر علماء و اصحاب حدیث کی ملی و دینی خدمات سے واقفیت اور عقیدت جو کچھ ہے وہ میری اپنی کاوش اور ذوق کا نتیجہ ہے ۔

خواجہ عبدالوحید مرحوم

حضرات ! اب میں اپنے علمی محسنوں اور ذوقِ ادبی کے مربیوں میں صرف ایک شخصیت کے احسان و تربیت کا ذکر کروں گا یہ شخصیت خواجہ عبدالوحید مرحوم کی تھی ۔ مرحوم کا انتقال گذشتہ ۱۹۷۹ء کے دسمبر میں ہوا ۔ خواجہ صاحب مرحوم سے واقفیت کچھ پہلے سے تھی ، لیکن ان کے قرب و صحبت کی سعادت ۱۹۶۱ء سے حاصل ہوئی ۔ اس وقت تک نہ میرا کوئی خاص موضوع تھا نہ جذبات میں ٹھہراؤ ، نہ طبیعت میں تحمل نہ قلب میں فراخی ، نہ نگاہ میں وسعت ، نہ صبر و برداشت کا مادہ ۔ اگرچہ اس وقت تک میں اخبارات و رسائل میں کثرت سے لکھنے لگا تھا ، لیکن جوش و جذبات کسی ایک مقام فکر پر نہ ٹھہرنے دیتے تھے ، نہ طبیعت کا اضطراب کسی ایک حسین منظر سے نگاہ کو لطف اندوز ہونے کی مہلت دیتا تھا ۔ خواجہ صاحب مرحوم نے میری تربیت فرمائی ۔ تاریخ و مذہب کے کسی خاص میدان کو اپنا لینے کی ہدایت کی اور تصنیف و تالیف کے دائرے کو محدود کر لینے کی تلقین کی ۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنے مطالعۂ فکر و نظر اور تصنیف و تالیف کا خاص موضوع قرار دینا دراصل یہ انہی کی رہنمائی و ہدایت کا نتیجہ تھا ۔ وہ اسلامی سیرت کا حسین نمونہ تھے ۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بیعت تھے ۔ میں نے اٹھارہ انیس سال دور و نزدیک سے دیکھا ۔ وہ اسلاف کرام کے اخلاق و سیرت اور تقویٰ و اخلاص کا بہترین نمونہ تھے اور ۷۸ ۔ ۷۹ سال کی عمر میں تو ان کے شب و روز صحابہ کرامؓ کی سی پاکیزہ و مقدس زندگی کے سانچے میں ڈھل گئے تھے ۔

حضرات ! خواجہ صاحب مرحوم سے میری عقیدت اور ارادت کی داستان بہت طویل ہے اور آج کی اس صحبت کا سارا طول و عرض بھی اس حکایت دلچسپ کے تذکرے و تحریر کے لئے کافی نہیں ہو سکتا ، لیکن میں ان کے اس احسان کا ذکر کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا کہ فکر و عقیدہ کی پختگی اور گرد و پیش کے لوگوں سے معاشرتی تعلقات کی استواری کی ضرورت کا احساس اور اس میں توازن کا گر اور خوبی اگر کسی درجہ میں مجھ میں ہے تو یہ انہی خواجہ صاحب مرحوم کا فیضانِ نظر ہے ۔

حضرات ! اس کے بعد میرا ارادہ تھا کہ مولانا غلام رسول مہر اور شورش کاشمیری مرحوم اور پروفیسر محمد سرور جامعی ، پروفیسر عصمت اللہ خان ، مشفق خواجہ اور پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری وغیرہ اصحاب علم و فضل کے متعلق اپنے تاثرات قلب اور ان کے احسانات اور لطف و کرم کا تذکرہ کروں ، لیکن اب چونکہ وقت کی گنجائش آخری حدوں کو چھو رہی ہے اس لئے مضمون کو ختم کرتا ہوں ۔

حضرات ! میں آخر میں اتنا اور بتانا چلوں کہ میرا تعلق علمائے دیوبند کے خدام سے ہے ۔ دارالعلوم دیوبند گذشتہ ایک صدی سے علم و ادب ، اخلاق و تہذیب ، اسلامی سیرت علوم و معارف ، دینی اور تعلیم کتاب و حکمت کے ایک مرکز اور قوم و ملت کی راہ میں ایثار و قربانی کی ایک مثالی علامت کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس کے اکابر و اماعز آسمان علم و سیاست اور تاریخ ملی کے چاند اور ستارے ہیں ۔ اس کا اپنا ایک نظام فکر ہے ۔ اس کی اپنی ایک عظیم الشان روایت ہے اور تاریخ ملت اسلامیہ پاک و ہند بلکہ عالم اسلام میں اس کا اپنا بہت اونچا مقام ہے اس ایک سوا صدی میں دارالعلوم سے زبان و ادب تصنیف و تالیف ، سیاست و مذہب ، اصلاح امت ، احیائے اسلام ، فروغ تعلیمات کتاب و حکمت اور تحریک آزادی اور شرک و بدعات

باقی صفحہ ۲۷ پر

حسین احمد قریشی
بھوئی گاڑ

فقیہ العصر حضرت مولانا الحاج مفتی عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالحی علم و فضل زہد و تقوٰے اخلاص وللہیت، سخاوت و شجاعت، شرافت صداقت، تحمل و بردباری، صبر و استقامت کے ایک پیکر کا نام ہے جن کی پیدائش ۱۹ رجب المرجب ۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۵ء بروز پیر امام العلماء مولانا غلام ربانی کے ہاں ہوئی۔

مولانا غلام ربانیؒ اپنے دور کے جید عالم دین اور امام تھے۔ علم حدیث میں آپ مولانا احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد ہیں۔ مولانا غلام ربانی کے اہم تلامذہ میں مولانا مفتی محمد حسن۔ مولانا رسول خان ہزاروی مولانا فیروز خان۔ مولانا محمد اسحٰق۔ مولانا نور محمد ملتانی۔ مولانا مفتی عبدالحی کے نام قابل ذکر ہیں اور ان حضرات کی دینی خدمات قابل تحسین ہیں۔ امام العلماء کے تلامذہ کی کل تعداد بلاواسطہ اور بالواسطہ ہزاروں سے متجاوز ہے۔ مولانا غلام ربانیؒ نے زمانۂ تعلیم ہی میں تدریسی خدمات سرانجام دینا شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ علم حدیث کے حصول کے وقت بیسؒ طلبہ کو اعلیٰ کتب کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مولانا غلام ربانیؒ علم حدیث کی فراغت کے بعد بھوئی گاڑ کی علمی درسگاہ سے بحیثیت مفتی و مدرس وابستہ ہوئے۔ بھوئی گاڑ کی علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے قبل قائم ہوئی ہے۔ محتاط اندازے کے مطابق اس درسگاہ کی تعلیمی خدمات کو ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصہ بیت چکا ہے۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے بھی ابتدائی تعلیم اسی درسگاہ میں حاصل کی ہے اور متوسط تعلیم عارف باللہ ولی کامل مولانا غلام محی الدینؒ پیر طریقت آف مکھڈ کے پسران خواجہ احمدؒ اور مولانا محمد دینؒ اور اپنے والد بزرگوار مولانا غلام ربانی صاحبؒ سے حاصل کی۔

دورۂ حدیث:

۱۹۲۸ء فتحپوری دہلی میں مولانا سلطان محمودؒ (شاگرد رشید شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی) سے علم حدیث کی کتب صحاح ستہ کی تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ کے سالانہ امتحان میں اوّل درجہ کامیابی حاصل کی۔ ابوحنیفہ ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے سالانہ امتحان لیا اور سند فراغت اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائی۔

دورۂ تفسیر:

۱۹۲۹ء میں آپ نے مولانا احمد علیؒ لاہوری (شیخ التفسیر) سے قرآن مجید کی تفسیر پڑھی۔ اس سال دورہ تفسیر کا افتتاح مجاہد کبیر مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا تھا اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۹۲۹ء ہی میں دورۂ تفسیر سے فراغت کے بعد آپ نے ضلع گجرات کے موضع الس کا سفر فرمایا اور مشہور زمانہ اساتذہ مولانا غلام رسول صاحبؒ اور مولانا ولی اللہؒ صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی۔

سلسلۂ بیعت

ہمارے علماء حق کے نزدیک شریعت و طریقت آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر شریعت مؤمن کی طرز زندگی ہے تو معرفت و طریقت مؤمن کے لیے مقصود زندگی ہے۔ اگر شریعت مقدمہ ہے تو طریقت اس کا تتمہ ہے۔ اگر شریعت منبع ہے تو طریقت اس کا چشمہ صافی ہے۔ اسی لیے ہمارے اکابر ہمیشہ کسی ولی کامل شیخ وقت سے وابستہ رہے ہیں۔ مفتی صاحبؒ خود ابتداً ضلع اٹک کی مشہور خانقاہ مکھڈ کے پیر طریقت مولانا غلام محی الدینؒ کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے اور ان کی وفات کے بعد خانقاہ سرجہ کندیاں کے عظیم روحانی پیشوا مولانا محمد عبداللہ سکیم پوریؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے اور ان کی وفات کے بعد مولانا خان محمدؒ سے وابستہ ہوئے اور تادفات اسی خانقاہ سے وابستہ

رہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ حضرت لاہوریؒ سے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ آپ مجھے اپنے سلسلۂ بیعت میں شامل فرمالیجئے۔ حضرتؒ نے فرمایا میں آپ کو دو وجہ سے بیعت نہیں کرنا چاہتا؛

۱۔ آپ بہت بڑے علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں اس خاندان کا احترام کرتے ہوئے بیعت نہیں کرتا۔

۲۔ فرمایا کہ مولانا محمد عبداللہ سلیم پوری ولی کامل ہیں۔ اس لئے آپ ہمیشہ ان ہی کے سلسلۂ بیعت میں شامل رہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی اولاد کو بھی وقت کے اہم مشائخ سے وابستہ کرکے گئے ہیں۔ چنانچہ حکیم احمد حسن قریشی، مولانا محمد عبداللہ درخواستی سے۔ مولانا قاری محمود الحسن مولانا خان محمد مدظلہ سے۔ مولانا محمد ابوبکر قریشی مولانا قاضی عبدالقادر سرگودھوی سے راقم الحروف حسین احمد قریشی حضرت جی عالمی مبلغ اسلام مولانا انعام الحسن مدظلہ دہلوی سے وابستہ ہیں۔

اوصاف حمیدہ

مولانا مرحوم نہایت سادہ مزاج صلح کن انسان تھے۔ جو مسئلہ بھی آپ کے سامنے آتا نہایت ہی سوچ کر اس کے بارے میں شریعت کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ خود کوئی مسئلہ نہیں اٹھاتے تھے۔ اگر کوئی اور کسی مسئلہ کو غلط رنگ دینے کی کوشش کرتا تو مولانا مرحوم اس طرح کرنے کی کسی کو اجازت مرحمت نہیں فرماتے تھے اور پھر مسئلہ کو ہر لحاظ سے واضح فرماتے تھے۔ مولانا مرحوم نہایت سادگی پسند انسان تھے۔ آپ کی طبیعت میں تکبر نام کی بھی کوئی چیز نہیں تھی۔ مفتی عبدالحیؒ وہ عظیم انسان ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی دین اسلام کے لئے وقف کر رکھی تھی، جن کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا توحید و سنت دعوت و ارشاد، خدمت اور عجز و انکساری ہے۔

فیاض عالم دین

مولانا مرحوم ہمارے دیگر اکابر کی طرح علمی و مالی طور پر نہایت ہی فیاض تھے۔ جامعہ اور ربانیہ دارالعلاج کی جملہ مصروفیات کے ساتھ ساتھ بھی تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مولانا مالی طور پر بھی نہایت فیاض تھے۔ ان کی دلی خواہش ہوتی تھی کہ جب بھی کوئی مہمان آئے اس کی پورے طور پر مہمان نوازی کی جائے۔

مولانا کا تحمل

مولانا کی اوصاف حمیدہ جمیلہ میں سے ایک وصف یہ بھی تھا کہ ان کی طرف سے ان کی ذات پر ہونے والی تنقید کا کوئی دفاع نہ ہوتا تھا، مگر تجربہ شاہد ہے کہ جب بھی مولانا کی ذات پر کسی نے حملہ کیا ان کی خاموشی کے بدلے میں خدا نے حملہ آور کو ہمیشہ ذلیل رکھا۔

علمی خدمات

تدریس: مولانا مرحوم نے بھوئی گاڑ گھڑی افغاناں اور مکھڈ میں تدریسی خدمات سرانجام دی ہیں۔

کتب خانہ ربانیہ آپ کے علمی ذوق کا عظیم شاہکار ہے۔ اس کتب خانہ میں تقریباً ہر فن کی قدیم و جدید اکثر کتب موجود ہیں جبکہ تفسیر حدیث۔ فقہ۔ اصول فقہ کی کتب کی اکثریت ہے کیونکہ مولانا مرحوم کو ان علوم سے گہری دلچسپی تھی اور ان کتب کا مطالعہ خوب ذوق سے فرمایا کرتے تھے۔

مفتی علاقہ پنج کٹھہ

مولانا مرحوم علاقہ پنج کٹھہ کے مفتی تھے بھوئی گاڑ کے علمی خاندان نے آپ کی بے پناہ خداداد صلاحیتوں کے پیش نظر تعلیم سے فراغت کے ساتھ ہی آپ کو یہ عظیم ذمہ داری سونپی۔ مولانا تا وفات بحیثیت مفتی یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ مولانا کی بے لوث فقیہانہ خدمات نے علاقہ پنج کٹھہ میں فقاہت کا ایک روشن باب سجایا ہے۔ مولانا ہمیشہ محتاط انداز میں حق گوئی کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذہب اہلسنت والجماعت حنفیہ (فقہ حنفی) کے مطابق فتویٰ تحریر فرماتے تھے۔ مولانا مرحوم کے دور میں مرکزی جامع مسجد بھوئی گاڑ میں بعض اہم فیصلے بھی ہوا کرتے تھے جن میں حضرتؒ بحیثیت قاضی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

قرآنی خدمات

علاقہ پنج کٹھہ اور اس کے مضافات میں قرآن مجید حفظ کرنے اور نماز تراویح میں قرآن مجید سننے کا کوئی رواج نہیں تھا اور نہ ہی لوگوں کو اس کی عادت اور شوق تھا۔ چنانچہ حضرت مرحوم نے اس کام میں سبقت فرمائی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود ایک دفعہ راقم کو اس کی تفصیلات یوں بتائیں کہ

میں نے جب اس کام کی طرف توجہ دی تو مجھے اور میرے رفقاء کو اس کام کے لئے کافی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ عوام کا رجحان اس طرف نہ تھا اور بعض علماء بھی عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اس نیک کام کی مخالفت پر اتر آئے، اس لئے ہم کبھی پانی کی کسی ندی، کبھی باغ اور کبھی مسجد کی چھت پر قرآن سنتے تھے۔ میرے رفقاء کے عزائم اور حوصلے بلند تھے اور ارادے نیک تھے اس لئے بالآخر حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے علماء کو فتاویٰ عالمگیری کے اس فتویٰ کے سامنے سر جھکانا پڑا۔

السنۃ فی التراویح انما ھو الختم مرۃ فلا یترک لکسل القوم کذا فی الکافی

فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۹۴

فصل فی التراویح

حضرتؒ کی اس محنت کا نتیجہ ہے کہ آج علاقہ کی ہر مسجد میں قرآن سنایا جاتا ہے اور بھوئی گاڑ کی تقریباً تمام برادریوں میں ایک حافظ موجود ہے۔

درسِ قرآن

ہر روز صبح کی نماز کے بعد درس قرآن مجید ارشاد فرماتے اور اس درس کے لئے مندرجہ ذیل تفاسیر حضرتؒ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں:

- تفسیر روح المعانی،
- تفسیر مظہری،
- تفسیر معالم التنزیل،
- تفسیر جلالین،
- تفسیر بیضاوی،
- تفسیر معارف القرآن،
- ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ
- ترجمہ شیخ الہندؒ
- ترجمہ شیخ مولانا احمد علی لاہوریؒ

درسِ حدیث

مولانا مرحوم کے دور میں ہر روز عشاء کی نماز کے بعد درس حدیث ہوتا تھا جس میں اکثر مشکوٰۃ المصابیح اور ترجمان السنۃ زیر درس رہتی تھیں۔

سیاسی خدمات

مولانا عبدالحئیؒ علاقہ کے پہلے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے ملا کی دوڑ مسجد تک کی رسم کو توڑا۔ سیاسی جماعتوں سے وابستہ ہوئے۔ انتخابات میں حصہ لیا۔ علاقہ کے علماء کی قیادت فرمائی اور اپنی ایک سیاسی حیثیت عوام سے تسلیم کروائی۔ مولانا فرماتے تھے کہ جماعت کا انتخاب میرے لئے منجانب اللہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اتحاد ملت سے بہت جلد علیحدہ ہو کر مجلس احرار اسلام سے وابستہ ہو گئے اور حضرت شاہ جیؒ کی قیادت میں دین اسلام کے احیاء اور اس کی نشر و اشاعت اور فرنگی نظام کے خاتمے کے لئے اپنی جد و جہد جاری رکھی۔ تقسیم کے بعد جمعیۃ علماء اسلام سے وابستہ ہوئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ مولانا محمد عبداللہ درخواستی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی۔ مولانا مفتی محمود کی قیادت میں جمعیۃ علمائے اسلام میں سیاسی خدمات سرانجام دیں۔

انصار المسلمین

علامہ مشرقی کے فتنے کے تعاقب کے لئے انصار المسلمین قائم کی گئی اور آپ اس کے صدر منتخب ہوئے۔ مولانا مرحوم جمعیۃ طلبہ اسلام بھوئی گاڑ کے سرپرست اور انجمن ربانیہ بھوئی گاڑ کے سرپرست اور مہتمم اول تھے۔

انتخابات

انتخابات اور اقتدار میں انسان کا مشن صحیح واضح ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم نے انتخابات میں حصہ لے کر اہل حق کی ترجمانی فرمائی۔ مولانا مرحوم کسی سرمایہ دار چوہدری سردار اور خان کی قیادت میں سیاسی خدمات سرانجام کو ضمیر فروشی اور ایک لعنت سمجھتے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں سید احمد شاہ نواب مظفر خان کے مقابلے میں کھڑے ہوئے۔ پیر احمد شاہ نے مولانا مرحوم سے تعاون کی درخواست کی تو مولانا نے شاہ صاحب سے تعاون کا وعدہ فرمایا۔ دوسری جانب نواب مظفر تھے۔ نواب صاحب نے پانچ صد روپے کی سیاسی رشوت پیش کی اور مولانا کے قریبی دوستوں سے سفارش کرائی، مگر مولانا نے فرمایا کہ مومن کی شان نقضِ عہد نہیں ایفائے عہد ہے۔

۱۹۴۵ء میں مولانا مرحوم کو مجلس احرار اسلام نے اسمبلی کے انتخاب کے لئے ٹکٹ دیا۔ مولانا مرحوم کے مقابلے میں دو بڑے جاگیردار تھے۔ سردار محمد اکرم۔ سردار ممتاز علی خان۔ سردار محمد اکرم خان نے حضرت مرحوم کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ آپ کے ہمراہ مولانا قاضی شمس الدین آف درویشی بھی تھے۔ سردار محمد اکرم خان نے مرحوم سے کہا کہ آپ میرے حق میں دستبردار ہو جائیں کیونکہ آپ کی موجودگی میں علاقہ چھچھ کے غیور عوام و علماء میرا ساتھ نہیں دیں گے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے پانچ ہزار روپے کی پیشکش کی۔ مولانا نے فرمایا "سردار صاحب! زندہ ضمیر بے جان کوڑیوں پر فروخت نہیں ہوا کرتے"۔ سردار ممتاز علی خان نے پیر گولڑوی سے سفارش کرائی کہ مولانا میرے حق میں دستبردار ہو جائیں تو میں مولانا کو مسلم لیگ کا ٹکٹ لے کر دوں گا کسی اور حلقے سے۔ یاد رہے کہ ان دنوں مسلم لیگ کا ٹکٹ مل جانا ہی کامیابی کا نشان تھا۔ حضرت مرحوم نے

> **زندہ ضمیر بے جان**
> **کوڑیوں پر فروخت**
> **نہیں ہوا کرتے**

فرمایا کہ میں کرسی۔ لیڈری پالیسی اور دنیاوی غرض کے لیے نہیں بلکہ دین اسلام کے لئے انتخابات میں حصہ لے رہا ہوں۔ میرا ایک نظریہ ہے جس کے لئے مرنا آسان اور اپنا پاکیزہ مشن چھوڑنا مشکل اور ناممکن ہے۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے امیدوار پیر کامرانؒ اور اس کی وفات کے بعد ان کے بھائی پیر سلطان العارفینؒ کے انتخابی مہم کے آپ نگران تھے۔ ۱۹۷۷ء میں آپ نے قومی اتحاد کا ساتھ دیا۔

بلدیاتی انتخابات:

حضرت مرحوم نے بلدیاتی انتخابات میں کبھی بھی حصہ نہیں لیا البتہ ہی اپنا ووٹ استعمال کیا۔

مذاہبِ باطلہ کا تعاقب:

مولانا مرحوم کی زندگی کا ایک کھلا طویل اور سنہری باب مذاہب باطلہ کا تعاقب ہے۔ مولانا مرحوم کو اپنی زندگی میں کافی مرتبہ اہل باطل سے تعاقب کرنا پڑا۔ مولانا جب بھی اور جس میدان میں گئے بحمداللہ کامیابی نے آپ کے قدم چومے۔

ردِ عیسائیت

ٹیکسلا ضلع راولپنڈی میں ایک ہسپتال عیسائیوں کی طرف سے قائم کیا گیا جو کہ آج تک موجود ہے۔ یہ آنکھوں کا ہسپتال ہے اور اس کے قیام کا مقصد مال حاصل کرنا نہیں بلکہ لوگوں کے ایمان کی تجارت کی ایک منڈی قائم کی گئی تھی — چنانچہ حضرتؒ نے اس کا تعاقب فرمایا اور پہلی دفعہ طالب علمی کے زمانہ میں مناظرہ کیا جس میں حق تعالٰی نے آپ کو بحمد کامیابی عطا فرمائی۔ عیسائیت نے علاقائی اور مقامی سطح پر آ کر کام شروع کیا۔ ہفتہ میں ایک دن ایک گاؤں میں جا کر لوگوں کو ہسپتال جانے کی دعوت دیتے تھے اور آنے والوں کو پھر عیسائیت کی طرف راغب کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں جب وہ بھوئی گاڑ آئے تو حضرت نے ان کی خوب مخالفت کی جس کے نتیجہ میں وہ دوبارہ کسی گاؤں کا رخ نہ کر سکے — حضرت نے ایک مناظرہ ہسپتال میں پہلے کیا تھا اور ۱۹۳۰ء میں آپ کا دوسرا مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے کا موضوع ابن اللہ تھا۔ اس میں بھی حق تعالٰی نے آپ کو کامیابی عطا فرمائی اور فتح نے آپ کے قدم چومے۔ آپ ان کامیابیوں کے بعد بے فکر نہیں ہوئے کیونکہ مولانا مرحوم جہدِ مسلسل کے عادی تھے اور ہنگامی پروگرام ان کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ مستقل محنت کے قائل تھے۔ اس لئے آپ نے خاموشی اختیار نہیں کی، بلکہ آپ کی سرپرستی میں آپ کے چھوٹے بھائی مولانا قاضی حکیم شمس الدین قریشی آف حسن ابدال نے مستقل طور پر کام شروع کیا۔ آپ کی محنت کا منہ بولتا ثبوت سینکڑوں انسانوں کا مذہب انسانیت سے انحراف اور ان کی تصانیف آئینہ عیسائیت۔ عیسائیت کی حقیقت بائبل کے شگوفے۔

ردِ مرزائیت

حضرت مرحوم کے دل میں حُبِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتباع سنت اور اس کے ساتھ ساتھ تحفظ ناموس رسالت کا جذبہ موجزن تھا۔ مولانا مرحوم اپنے مُبلّغوں کو ہمیشہ اتباع سنت کی تلقین فرماتے تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مولانا نے بہت بڑے اسلامی جذبے کے ساتھ میدانِ عمل میں قدم رکھا اور اپنی علمی، جانی، مالی توانائی اس مشن کے لئے صرف فرمائی اور اپنی انتھک جدوجہد سے عوام کو مسئلہ قادیانیت سے روشناس کرایا اور مرکزی مجلس عمل کے فیصلہ کے مطابق ہر روز دس افراد کو گرفتاری کے لئے پیش کیا کرتے تھے۔ ان دس افراد میں سے نو (۹) آدمی عوام میں سے جاتے اور ایک آدمی آپ کے خاندان کا بحیثیت قائد کے گرفتاری پیش کرتا تھا۔ جس روز لاہور میں گولیاں چلیں اور لاہور کی گلیاں محافظین ختم نبوت کے لہو سے رنگین ہوئیں مرحوم مولانا بھی جام شہادت نوش کرنے کے لئے لاہور روانہ ہوئے۔ سواری میسر آ سکی اور راستے سے ہی واپس ہو گئے۔ ۱۵۰ حضرات کے ساتھ گرفتاری پیش فرمائی۔ مولانا مرحوم کو تحریک

کرنے کے لئے حسن ابدال کے بااثر لوگوں سے کہلوایا گیا اور آپ کو گندم کا ڈپو پیش کیا گیا۔ مولانا مرحوم نے جوتے کی نوک سے ایسی رشوتوں کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا کہ اہل حق ایسی سودابازی میں نہیں جایا کرتے

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی مولانا محترم نے اپنی شاندار ماضی کا اعادہ فرمایا۔ آپ کی قیادت میں فاروقیہ سیمنٹ فیکٹری میں ایک عظیم جلوس نکالا گیا۔ آپ کی دعوت پر مولانا محبوب شاہ صدر مجلس عمل حسن ابدال۔ مولانا حامد علی رحمانی نائب مجلس عمل تحفظ ختم نبوت حسن ابدال بھوئی گاڑ میں ایک جلسہ میں خطاب کے لئے تشریف لائے۔ مولانا مرحوم نے اس موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

مسئلہ قادیانیت اب ہمیشہ کے لئے
ختم ہو جانا چاہیئے۔

> **اگر مسلمان اسی طرح بیدار رہے تو یہ کافری فیصلہ عملی صورت میں ہمیں نظر آئیگا**

مولانا مرحوم نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام کے تخت و تاج و ختم نبوت کی حفاظت ہر مسلمان کا اولین فرض ہے۔ ۷ ستمبر کو جو مرزائیوں کے خلاف فیصلہ ہوا مرکزی جامع مسجد بھوئی گاڑ میں حضرت مرحوم کی صدارت میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ مولانا مرحوم نے اپنے صدارتی خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

"یقیناً امت مسلمہ کی یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اگرچہ یہ فیصلہ فی الحال کاغذی اور قلمی فیصلہ ہے اگر مجھے یقین ہے کہ اگر مسلمان ہمیشہ کے لئے اسی طرح بیدار رہے تو وہ وقت دور نہیں کہ جب یہ کاغذی فیصلہ عملی صورت میں ہمیں نظر آئے گا۔"

رسم و رواج اور بدعات اور ان کے پجاریوں کا تعاقب

رسم و رواج کو مذہب قرار دے کر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسر ثابت کرنا اور اپنی خواہشات کو دین کا درجہ دے کر اسلام بنانا یہ مذہب باطل کا خاصہ ہے جسے مذہب بدعت اور اس کے پجاریوں کو بدعتی کہا جاتا ہے مولانا مرحوم نے اس فتنہ کا بھی مقابلہ کیا۔ آپ سے مناظرے ہوئے۔ الحمد للہ ہر مناظرے میں آپ کو کامیابی نصیب ہوئی۔ اس سلسلہ میں آپ نے اپنے علاقہ میں تبلیغی سطح پر بھی خوب کام کیا۔ آپ کی زندگی کا یہ بہت طویل باب ہے جبکا احاطہ اس مختصر مقالے میں نا ممکن ہے۔ اس باب کے تمام پہلوؤں پر اور آئندہ آنے والے ردِ تشیع کے باب کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنی ایک طویل اور مستقل مقالے کی ضرورت ہے جس کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ عند الفراغت مستقل طور پر قلم اٹھایا جائے گا۔ اس سلسلے میں آپ نے بھوئی گاڑ۔ مکھڈ گواڑہ۔ سلطان پور۔ پنڈ مہری۔ ایبٹ آباد پھلڑ ہوگی میں مناظرے کئے۔ ۱۹۴۹ء میں مولانا عبد الغفور ہزاروی ۳۵ دیگر علماء کے ہمراہ مولانا کے مقابلے میں آئے۔ مولانا نے تین علماء کے ساتھ مل کر حق کا دفاع کیا۔ حق تعالیٰ نے جل شانہٗ نے حق کی حفاظت فرمائی۔

تبلیغی جماعت سے وابستگی

۱۹۴۹ء میں مولانا ابو الحسن علی ندوی بھوئی گاڑ میں ایک جماعت کے ہمراہ تشریف لائے تو مولانا مرحوم اور آپ کے بھائی مولانا ضیاء الدین، مولانا شمس الدین اور آپ کے فرزندار جمند سعادت مند حکیم احمد حسن صاحب قریشی جماعت سے وابستہ ہوئے۔ یہ مولانا کی زندگی کا ایک اہم موڑ تھا۔ الحمد للہ دین کی خدمت کا یہ کام بھی مولانا کے ہاتھ سے نہیں گیا۔ مولانا مرحوم دینی خدمات کے بہت ہی قدردان تھے۔ اپنی تمام اولاد اور جملہ لواحقین کو ہمیشہ کے لئے جماعت سے وابستہ رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت کو مولانا محمد یوسفؒ نے سرحد سے ملحقہ ریاستوں کا ذمہ دار بنایا تھا۔ نیز حق تعالیٰ نے آپ کو امیر ہند مولانا محمد یوسفؒ امیر پاکستان حاجی محمد بشیر صاحب کے علاج کا موقعہ بھی عنایت فرمایا۔ مرحوم تبلیغی جماعت کے مجلس شوریٰ کے ممبر بھی تھے۔

حج:

مولانا مرحوم نے حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل کرنے کے لئے تین دفعہ سرزمین حجاز کا سفر فرمایا

اہم تلامذہ

مشائخ عظام

- حضرت مولانا شمس الدین ہزاروی (خلیفہ حضرت مولانا محمد عبد اللہ کنڈیاں) ہری پور۔
- حضرت مولانا فضل دین مکھڈ
- پیر محمد اعظم شاہ محمد عارف شاہ گھوڑی افغانان
- صاحبزادہ محمد عابد گل ولد مولانا محمد عبد اللہ سلیم پوری

علماء کرام

استاذ العلماء مولانا قاضی محمد اسلم ہری پور
- مولانا ضیاء الدین ہری پور
- 〃 شمس الدین حسن ابدال
- 〃 شیر محمد طوالی
- 〃 عبد الغفور ٹیکسلا
- 〃 غلام رسول کوٹ نجیب اللہ
- 〃 ولی الرحمٰن سکندر پور
- 〃 عبد الرحمٰن
- 〃 محمد ابو بکر
- 〃 عبد الدیان
- 〃 حسین احمد قریشی بھوئی گاڑ
- 〃 مشتاق احمد پنڈ مہری

اطباء کرام:-

- حکیم احمد حسن
- 〃 محمود الحسن
- 〃 فرید الدین بھوئی گاڑ
- 〃 سید محمد افضل شاہ اٹک
- 〃 عبد العزیز ہزاروی
- 〃 محمد ایوب کشمیری
- 〃 غلام ربانی
- 〃 عبد الرحمٰن راولپنڈی

گلفام قصوری میتھی

قصوری میتھی شہر قصور کا مشہور و معروف تحفہ ہے۔ پکوان میں قطعی روح پرور خوشبو اور خاص لذت پیدا کرنے میں اسکا ثانی نہیں۔ ہم نے اسے گھر گھر متعارف کرانے کیلئے اعلیٰ درجہ کی خالص قصوری میتھی صاف شدہ ۲۰۰ گرام کے پیکٹ میں بمعہ ڈاک خرچ صرف دس روپے میں ارسال کرتے ہیں۔ آج ہی منگوائیے ہر قسم کی پیکنگ کے علاوہ کھلا مال تھوک کے حساب سے بھی دستیاب ہے۔

زبیر ٹریڈرز

بازار دالگراں۔ قصور

(آخری قسط)

ایک فکر انگیز مقالہ

بحریر: غلام مصطفیٰ حسن

نداء الحائر

باھل العلم واصحاب المآثر؟

دینی مدارس، علماء اور طلبہ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی لادینی قوتوں سے کیسے نبرد آزما ہو سکتے ہیں؟

۸۔ مدارس کے ناموں کی تعلیمی معیار سے مطابقت

پاکستان میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ بعض مدرسوں میں پندرہ بیس طالب علم ہوتے ہیں اور ایک دو استاذ، تعلیم بھی ابتدائی درجات ہی کی ہوتی ہے، لیکن اس کا نام جامعہ فلاں رکھا ہوتا ہے، اور کبھی یہ لطیفہ بھی سامنے آتا ہے کہ بورڈ پر بڑے حروف میں لکھا ہوتا ہے:

"مدرسہ جامعہ فلاں"

یہ چیز یا تو جہالت پر دلالت کرتی ہے یا پھر جھوٹ پر، کم از کم وفاق المدارس العربیہ سے ساتھ منسلکہ اداروں کے ناموں کی تصحیح ضرور کردینی چاہیئے اور نام رکھتے وقت تعلیمی معیار کا ضرور خیال ہونا چاہیئے۔

۹۔ فوقانی تعلیمی اداروں میں کلیات اور دراسات علیاء

ہمارے ملک کے وفاق المدارس سے منسلکہ وہ ادارے جہاں اعلیٰ پیمانے پر تعلیم ہوتی ہے ان میں کلیۃ الشریعۃ کلیۃ الدعوہ، کلیۃ اللغۃ و الآداب کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اسی طرح الدراسات العلیاء کی مختلف فروع قائم کی جائیں مثلاً التفسیر، الحدیث، الفقہ التاریخ، الادیان وغیرہ ذالک

جن اداروں میں کلیات کا قیام عمل میں لایا گیا ہو انہیں جامعہ (یونیورسٹی) کا نام دیا جائے۔

۱۰۔ وفاق المدارس کا نظم ونسق

وفاق المدارس کو ایک فعّال ادارہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ جہاں اس کے مرکزی دفتر میں پڑھے لکھے اور اداری امور کا تجربہ رکھنے والے ہی نہیں بلکہ دل میں گہرا درد رکھنے والے حضرات موجود ہوں اور شبانہ روز مشغول سے اس کے کام کو آگے بڑھانے کی فکر کریں وہاں اس کے ڈویژنل اور ضلعی سطح پر بھی دفاتر قائم کرنے چاہئیں۔ اس کے لئے مستقل ملازمین کی ضرورت نہیں ہے نہ ہی مستقل جگہ کی بلکہ یہ مدارس میں قائم کئے جائیں۔ اور ان مدارس کے مدرسین میں سے رضاکارانہ طور پر کام کرنے والے حضرات منتخب کئے جائیں۔

خلاصہ یہ کہ جب ان دس نکات پر عمل ہو جائے اور مجھے یقین کامل ہے کہ زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کی مدت میں اس پر عمل ہو سکتا ہے تو پھر تمام عالم اسلامی کی یونیورسٹیوں سے وفاق المدارس العربیہ کی شہادات کا معادلہ کروایا جائے۔ اور یاد رہے کہ رنگا رنگ کے پھول موجود ہیں صرف سلیقہ سے گلدستہ بنانے کی ضرورت ہے، اور جب آپ سلیقہ سے گلدستہ بنا کر عالم اسلام کے سامنے پیش کریں گے تو اس کا ہر فرد اسے قبول کرنے کا آرزومند ہوگا۔ آپ کے اس ادارے کی شہادات کا معادلہ پاکستان میں محض اس لئے پیچیدہ ہے کہ تعلیمی اداروں پر لارڈ میکالے اور انگریز کی معنوی اولاد کا قبضہ ہے، لیکن عالم اسلام کی کسی بھی یونیورسٹی میں قطعاً پیچیدہ نہیں صرف ایک دو ماہ کا کام ہے۔ بلکہ بلاد اسلامیہ کی وزارۃ المعارف کے ذریعہ معادلہ سے ان ممالک کے تمام تعلیمی اداروں میں وفاق المدارس العربیہ کی تمام شہادات الابتدائیہ سے لے کر التخصص تک معادل قرار پا جائیں گی۔

بلاد عربیہ سے اساتذہ کرام کی فراہمی

اللہ تعالیٰ نے بلاد عربیہ کو بھی

دولت سے نوازا ہے وہاں ان کو وسیع حوصلہ بھی عطا فرمایا ہے اور وہ رفاہی اور دینی کاموں پر کھلے دل سے روپیہ خرچ کر رہے ہیں۔ کہیں ہسپتال بنا رہے ہیں کہیں مدارس کی عمارتوں پر خرچ ہو رہا ہے تو کہیں مساجد بن رہی ہیں اور وعظ وارشاد کے لئے علماء کی خدمات حاصل کی جا رہی ہیں اور کہیں دینی کتب کے انبار کے انبار تقسیم کئے جا رہے ہیں اور کہیں اساتذہ کی فراہمی کا انتظام کیا جا رہا ہے اور وہ مستحقین پر کھلے دل سے خرچ کرنے کا جذبہ اور شوق رکھتے ہیں۔ صرف ایک مثال پیش کروں گا۔ دولۃ البحرین کا رقبہ صرف ۵۹۸ کیلومیٹر ہے اور آبادی دو لاکھ ہے۔ اس ایک ملک میں سعودی عرب کی طرف سے اڑھائی سو اساتذہ کرام تعلیم دے رہے ہیں۔ اسی سے آپ اندازہ فرما لیں کہ کس طرح یہ اسلامی ممالک اپنے بھائیوں کے ساتھ محبت اور اخوت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

سعودی عرب کے مختلف ادارے الگ الگ اساتذہ کرام فراہم کرتے ہیں مثلاً وزارۃ المعارف، الجامعۃ الاسلامیۃ فی المدینۃ المنورۃ رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد الریاض رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ علاوہ ازیں کویت، مصر اور لیبیا اور عراق کے بعض ادارے بھی اساتذہ کے وفود بھیجتے ہیں۔ اس پر مستزاد الجامعۃ العربیۃ (عرب لیگ) نے غیر عربوں کو عربی سکھانے کے لئے خرطوم میں ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا ہے اور عرب لیگ بھی غیر عرب ملکوں میں عربی زبان کی تعلیم کے لئے ٹرینڈ اساتذہ فراہم کرتی ہے۔ لیکن اس کے لئے درخواست مع اپنے کوائف کے ذکر اور ثبوت کے شرط ہے اور یہ ادارے اپنے خرچ پر اساتذہ کو بھیج دیتے ہیں۔

لہٰذا وفاق المدارس العربیہ کے ذمہ داران اگر چاہیں تو مندرجہ بالا تمام اداروں سے درخواست کر کے عربی ادب، عربی بول چال سکھانے اور فن قرأت اور دیگر علوم کے لئے اساتذہ حاصل کر سکتے ہیں اور اپنے ماتحت تمام مدارس میں ان کا تعین کر سکتے ہیں۔

یہ کام بھی بہت اور بیحد آسان ہے شرط لگن اور دل کی چاہت ہے۔

بلاد اسلامیہ کے لئے طلباء کے وفود

بلاد عربیہ اسلامیہ کے تمام معاہد اور یونیورسٹیاں کثیر تعداد میں اسلامی ممالک اور دینی مدارس کو ہر سال وظائف دیتی ہیں — وفاق المدارس العربیہ کی شہادات کے معادل ہو جانے کی شکل میں وفاق سے ملحقہ تمام مدارس کے طلبہ بیرون ملک تعلیم کی تکمیل کر سکتے ہیں اور وفاق کے ذمہ داران تعلیمی اور اخلاقی لحاظ سے اونچے درجے کے طلبہ کا انتخاب کر کے انہیں باہر بھیج سکتے ہیں اور وہی طلبہ واپس وطن آ کر دینی مدارس کے لئے بہترین معاون اور کل پرزے بن سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں طلبہ کا بیرون ملک وفاق کی طرف سے جانا بلاد اسلامیہ کے علماء و صلحاء سے ربط وضبط اور دعاۃ الی اللہ سے قریبی تعلق کا ذریعہ بنے گا، جس سے دعوت اسلام کو جہاں تقویت پہنچے گی وہاں دشمنان اسلام کی چالوں سے بیک وقت باخبر رہنے میں بھی مدد ملے گی۔

تعلیم البنات

ہمیں اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہیئے کہ ہم نے بچیوں کی دینی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اگر ملتان میں خیر المدارس اور اسی طرح چشتیاں اور لاہور میں بعض مدارس نے بچیوں کی تعلیم کا انتظام کیا ہے تو یہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، جبکہ لڑکیوں کی دینی تعلیم وتربیت کی اہمیت لڑکوں سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ ماں کی گود سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ اگر یہ گود علم دین سے بے بہرہ اور اخلاق اسلامی سے عاری ہے تو پھر نئی نسل سے خیر کی توقع رکھنا دیوانے کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

بچیوں کی تعلیم کے لئے وفاق المدارس سے ملحقہ مدارس میں تمام درجات کی تعلیم کا انتظام کرنا بیحد ضروری ہے۔

نیز ان کے لئے محفوظ قسم کے دارالاقامہ

> اگر یہ گود علم دین سے بے بہرہ
> اور اخلاق اسلامی سے عاری ہے
> تو پھر نئی نسل سے خیر کی توقع رکھنا
> دیوانے کی بڑ سے زیادہ
> حیثیت نہیں رکھتی۔

کا بندوبست کرنا بھی ضروری ہے۔ علاوہ بریں بعض ممالک کے باشندوں کی خواہش ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو پاکستان حفظ قرآن کے علاوہ دینی تعلیم دلوائیں، مگر ہمارے ہاں اس کا انتظام نہ ہونے کی بنا پر ان کی یہ نیک تمنا پوری نہیں ہو سکتی جبکہ ہمارے علماء کرام کی بچیاں بھی دینی تعلیم سے محروم رہ جاتی ہیں۔ دارالاقامہ میں غیر ملکی بچیوں کے داخلہ کی بھی گنجائش رکھنی چاہیئے۔

تحفیظ القرآن الکریم

الحمدللہ ہمارے مدارس سے قرآن کریم کے حفاظ کی ایک کثیر تعداد فارغ ہوئی ہے، لیکن اکثر حفاظ ان میں سے تحفیظ القرآن کی خدمت

میں مشغول نہیں ہوئے ہیں۔ وفاق المدارس کو چاہیئے کہ وہ تحفیظ القرآن الکریم کے گاؤں گاؤں جال بچھا دے اور تمام حفاظ کی خدمات حاصل کرے جو اس کام میں مشغول نہیں ہیں۔ میں تفصیل تو بیان نہیں کروں گا کیونکہ ایسا کرنا ضروری نہیں کیونکہ یہ قبل از وقت ہوگی البتہ ایک حدیث نقل کرتا ہوں جس کے حضرت عمر فاروق رضؓ راوی ہیں:

"ان اللّٰہ یرفع بہٖ اقواما ویضع بہٖ آخرین"

اور یہ انتظام تو بچوں اور بچیوں کے لئے ہر جگہ یکساں طور پر ہونا چاہیئے۔

تنظیمِ فضلاءِ وفاق المدارس

بلاشبہ ماں باپ کے بعد اگر کوئی فضیلت والا رشتہ ہے تو وہ استاذ کا رشتہ ہے لیکن آج دینی مدارس کے طلبہ کا بھی یہ حال ہو چکا ہے کہ جونہی تعلیم سے فارغ ہو کر مدرسہ کو خیرباد کہا اساتذہ کرام کو بھی آخری سلام کر دیا۔ سالہا سال تک نہ استاذ کو شاگرد کی خبر ہے اور نہ شاگرد کو استاذ کی۔ یہی وجہ ہے کہ علم کی برکات سے ہم پورا فائدہ نہیں اٹھا پاتے ہیں۔ جہاں استاذ کا اتنا مقدس رشتہ ہے وہاں اپنے ہمجولیوں اور رفقائے درس کا رشتہ بھی بھائیوں ہی کی طرح کا ہے۔ آج ان رشتوں کو برقرار رکھنے ہی کی نہیں بلکہ نئے سرے سے قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا میری فضلائے وفاق المدارس سے دردمندانہ اپیل ہے کہ اپنے بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع کرنے کے لیے فضلاء وفاق المدارس کی تنظیم قائم کی جائے اور تنظیم خالصتاً مذہبی رشتوں کی بنیاد پر قائم ہو۔ آج کی غلیظ سیاست سے اس کا کچھ رشتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کی غرض صرف دینی عمل کو تیز سے تیز تر کرنا اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آنا، مشکلات میں ہاتھ بٹانا ہو اور اس کے لئے الگ عہدیداروں کی بھی ضرورت نہیں۔ جو وفاق کے صدر ہوں وہی اس کے صدر ہوں۔ اسی طرح دوسرے ذمہ داران حضرات بھی، اور سب فضلاء کا اپنے اپنے اساتذہ اور ہمدرسوں سے ربط ضبط ہو اور اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مدارس کی ترقی اور ان کے حالات کو بہتر کرنے کی یکساں فکر اور لگن ہو۔ یہ دین کا کام صرف مہتمین حضرات کی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ ہم سب برابر کے ذمہ دار ہیں۔ چاہے کوئی مہتمم صاحب ہم سے کہیں یا نہ کہیں، چاہے ہم سے کوئی مشورہ لے یا نہ لے، ہمیں از خود احساس اور فکر کی ضرورت ہے۔ یاد رہے دین کی فکر اور احساس بہت بڑا ذکر اور عبادتِ عظمیٰ ہے۔ خدا کرے اس طرف توجہ ہو جائے۔

مدارسِ اسلامیہ میں شعبۂ دستکاری

ہمارے مدارس دینیہ سے فارغ ہونے والے طلبہ کو فراغت کے بعد سب سے پہلے جس مشکل سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ فکرِ معاش ہے بلکہ باعزت طریقے پر رزقِ حلال کی تلاش! اس مسئلے کی زد میں آکر بہت سے باصلاحیت افراد کو ضائع ہوتے دیکھا ہے۔ بعض اوقات علم دین کے حصول کے بعد کوئی مناسب کام نہ ملنا کمزور طبع اور ضعیف ایمان والے آدمی کے قلب سے علم دین کی وقعت کو کم کر دیتا ہے اور ایسا ہو جانا عذابِ عظیم سے کم نہیں۔

ایسی صورتحال سے بآسانی نپٹنے کے لئے مدارس اسلامیہ میں ٹیکنیکل اور دستکاری کے شعبے قائم کئے جا سکتے ہیں۔ ہر مدرسہ میں ایک ورکشاپ قائم کر دی جائے جس میں مختلف فنون اور ہنر سکھائے جائیں اور ہر طالب علم اپنی طبیعت کے رجحان کے مطابق جو فن سیکھنا چاہتا ہے سیکھ لے۔ میری ناقص رائے میں مندرجہ ذیل کام طلباء کو سکھائے جا سکتے ہیں:

(أ)
۱۔ عربی، انگریزی اور اردو ٹائپ
۲۔ فنِ کتابت
۳۔ طب
۴۔ فرنیچر سازی
۵۔ بیگ سازی
۶۔ جوتے بنانا
۷۔ فریج اور ائیرکنڈیشنڈ کا کام
۸۔ بجلی کا کام
۹۔ (خیاطہ) درزی کا کام
۱۰۔ جلد سازی

مدارس میں ان شعبوں کے قائم کرنے سے مدارس کو بھی فائدہ ہوگا کیونکہ طلبہ کا بنایا ہوا سامان ورکشاپ کے اخراجات کو پورا کرنے کے بعد بھی نفع بخش ہوگا۔ اور دینی مدارس کا پڑھا ہوا طالب علم جب فکر معاش سے فارغ ہوگا تو اس سے دینی عمل بھی تیز تر ہوگا۔

(ب) دوسرے نمبر پر ہمارے مدارس کے طلبہ اگر تعلیمی لائن میں آگے پڑھنا چاہیں تو ان کو آگے بڑھانے کے لئے، جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، انگلش زبان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حساب اور سائنس کے مضمون کو بھی داخل نصاب کر لیا جائے بلکہ یہ دونوں مواد تو عربی ہی میں پڑھائے جائیں تو بہتر ہوگا۔ اس طریقے سے ہمارے مدارس کے فضلاء ملک کے دوسرے تمام اداروں میں دخیل ہو سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بہتر خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ یہ باتیں رہا کر یوں کرنے سے دنیا دل میں گھر کر جائے گی تو یہ حضرت جی ایسی حرامزادی جنس ہے جب اسے گھر کرنا ہوتا ہو تو اس کے بغیر بھی کر جاتی ہے۔ اس کے لئے آپ کو تربیت کا انتظام اور اس کے لئے صحیح فکر کرنی چاہیئے۔ میں نے دیکھا ہے اور بیسیوں

شاید پیش کر سکتا ہوں کہ بہت سے لوگ دینی مدارس میں داخل نہیں ہوئے۔ سکول کالج۔ یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی۔ بے حد غلط اور بدکاری کے معاشرے میں آنکھ کھولی۔ انہیں اسلامی تربیت اور صحیح فضا میسر آگئی ان کی دنیا بدل گئی۔ اور آپ یہ بات ملحوظ خاطر رکھیں کہ آپ کو رہبان تیار نہیں کرنے اور نہ ہی دوسروں کے دست نگر۔ آپ کو مجاہدین قناعت پسند اور خوددار لوگوں کی کھیپ تیار کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے:

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

الحاصل ہمارے مدارس اسلامیہ کو جہاں تو علمائے دین اور رجال کار پیدا کرنے ہیں وہاں انہیں فکر معاش سے فارغ کرنے کے لئے ہنر بھی سکھانا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی صحیح اور عملی تربیت بھی کرنا ضروری ہے۔ وہ کیسے ہوگی؟ اسے ایک مستقل موضوع کی شکل میں تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کرونگا

ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

دعوت اور تبلیغ

مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

"اب ہم نظر جانتے ہیں کہ اس وقت کی لادینی تحریکات کی سب سے بڑی قوت یہ ہے کہ وہ عوام سے براہ راست رابطہ پیدا کرتی ہیں، ان کی اپنے اصولوں پر تربیت کرتی ہیں ان کے دائمی عملی لوگ ہیں، جو گرم و متحرک ہیں۔ ایثار و قربانی کی روح رکھتے ہیں اپنے مقاصد کی خاطر ہر قسم کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ ان کے پاس عوام کو مشغول رکھنے کے لئے کام ہے۔ یہ تمام پہلو اس وقت کی مضطرب اور بے چین طبیعتوں کے لئے مقناطیس کی سی کشش رکھتے ہیں۔ ان لادینی تحریکات کا مقابلہ کرنے کے لئے نہ صرف نظری فلسفے موزوں ہیں نہ کاغذی خاکے، نہ محض دلائل و براہین اور نہ محض وہ دعوتیں جو خواص کے دائرہ میں محدود ہیں اور عوام کو خطاب کرنے اور ان کو کام میں لگانے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں۔ یہ لادینی (یا کم سے کم خالص مادی) تحریکیں تمام دنیا میں آگ کی طرح پھیل رہی ہیں اور ان کی سرگرمیاں تمام دنیا میں محسوس ہو رہی ہیں۔

ان تحریکات کا مقابلہ صرف وہ دینی تحریکیں کر سکتی ہیں جو عوام سے ربط و تعلق پیدا کرنا ضروری سمجھتی ہوں، امت کے کسی طبقہ کو نظر انداز نہ کریں۔ وہ غریبوں کا کوئی جھونپڑا، کسانوں کا کوئی کھلیان نہ چھوڑیں۔ کارگاہوں میں جائیں۔ بیٹھکوں اور چوپالوں میں بھی اپنا خطاب کریں، ان میں سرگرمی و حرکت، جفاکشی اور سخت جانی کسی لادینی دعوت و تحریک کے پرجوش کارکنوں سے کم نہ ہو اور خیر خواہی و دلسوزی اور سوز و درد مندی ان سے کہیں زیادہ ہو، اس لئے کہ وہ مریض انسانیت کی معاشی حالت بلند کرنا چاہتے ہیں اور ان کو مریض انسانیت کی ظاہری پست حالت کا درد ہے۔ لیکن اسلامی دینی دعوت کے کارکنوں کا کام اس سے کہیں زیادہ بلند اور وسیع ہے۔ ان کو ان کی اس خدا فراموشی بہیمانہ زندگی کا درد ہے جس میں اللہ کی یہ مخلوق پڑی ہوئی ہے۔ ان کو ان کی دینی، اخلاقی، روحانی اور ذہنی سطح بلند کرنی ہے۔ ان میں انسانیت، اسلامی شائستگی اور علم کا شوق پیدا کرنا ہے۔ وہ بالکل بے غرض قسم کے انسان ہوں جو اپنا بار خود اٹھائیں اور کسی پر بار نہ ہوں۔ ان کے پاس تہذیب و شائستگی اور اخلاق و تعلیم کے مقاصد و نتائج پیدا کرنے کے لئے زیادہ سہل اور قابل عمل طریقے ہوں جو بغیر کسی صرفہ (خرچ) کے زیادہ بہتر نتائج و اثرات پیدا کر سکیں۔ پھر وہ ان کو وہ کام سپرد کریں جو ان کو مشغول کرے اور کبھی ختم ہونے والا نہ ہو، یعنی دوسروں میں اس کی کوشش کرنا جو دوسروں نے ان میں کی۔ ان کے پاس ایسا کام اور نظام ہو جو امت کے مختلف طبقوں میں ربط و تعارف پیدا کرے۔ مقصد کا اشتراک، ایک جگہ کا اجتماع، سفر کی رفاقت، باہمی خدمت و اعانت۔ ایک دوسرے کے لئے ایثار ان میں الفت و محبت پیدا کرے۔ کوئی ایسا راستہ ہو جس میں نوجوان اپنی قوت عمل و ذوق صرف کر سکیں کیونکہ ان کے لئے فطری طور پر ضروری ہے۔ اگر ان کو صحیح کام نہ ملا تو وہ غلط راستے پر پڑ جائیں گے۔"

مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے جو چیز پیش کی ہے اس میں یہ تمام خصوصیات موجود ہیں اور اس کے خاکہ میں اس سے زیادہ گنجائش ہے۔ وہ کوئی وحی و تنزیل نہیں ہے — قرآن و حدیث کے فہم، سیرت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات و واقعات کے علم اور اصول دین سے گہری واقفیت اور خداداد بصیرت و حکمت دینی کے ماتحت انہوں نے اس زمانہ میں کام کا ایک طرز پیش کیا اور قرآن و حدیث کے گہرے مطالعہ اور اپنے طویل تجربہ کی بنا پر اس کے کچھ اصول و ضوابط مقرر کئے جو سب قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں اور تجربے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ صدہا مصلحتوں پر مبنی ہیں۔ اب ضرورت صرف اس کی ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو علم دین، خلوص اور مشغولیت و فہم کی دولت بخشی ہے اور اس زمانہ سے بھی بے خبر نہیں ہیں وہ اس کی طرف توجہ فرمائیں اور اپنے جوش عمل، قوت تنظیم، سلیقہ، خداداد اصول کی پابندی اور اللہ سے ربط و تعلق کے ذریعے اس کو ترقی دیں۔"

یہ کسک ہے اس شخص کی علمائے کرام اور طالبان دین کے نام درد بھری اپیل ہے جو صرف ہمارے مکتب فکر ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی متاع بے بہا سمجھے جاتے ہیں، اور یہ تحریر ان کی ۱۹۴۴ء کی ہے جس سے ان کی بصیرت کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ آج باطل نظریات کی حامل تحریکات بانگ دہل پکار پکار کر اعلان کر رہی ہیں کہ ہم ناقابل شکست ہیں کیونکہ ہماری جڑیں عوام میں ہیں۔

اور مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ محض مواعظ اور تقریر و تحریر کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ عملی نمونہ اور عملی آغاز کے بغیر اس کو مضر اور نقصان دہ سمجھتے تھے۔ ایک گرامی نامہ میں ارشاد فرمایا:

"جب تک عوام کے سامنے نمونہ نہ ہو محض ممبروں پر کی گئی تقریریں عمل پر پڑنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتیں۔ اگر تقریر کے بعد عمل پر چلنے کی تجویز و تشکیل نہ ہو تو عوام کے اندر ڈھٹائی اور بے ادبی کے لفظ بولنے کی عادت پڑ جائے گی"

(نفس الحوالہ)

مولانا الیاسؒ کا مطالبہ علمائے عصر سے اسلاف کے طرز پر اشاعت دین کے لئے عملی جدوجہد اور در بدر پھرنے کا تقاضا

حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا دامت برکاتہم کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"عرصہ سے میرا اپنا خیال ہے کہ جب تک علمی طبقہ کے حضرات اشاعت دین کے لئے خود جا کر عوام کے دروازوں کو نہ کھٹکھٹائیں اور عوام کی طرح یہ بھی گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کام کے لئے گشت نہ کریں اس وقت تک یہ کام درجہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ عوام پر جو اثر اہل علم کے عمل و حرکت سے ہوگا وہ اثر عوام کی دعوات و تقریروں سے نہیں ہو سکتا۔ اپنے اسلاف کی زندگی سے بھی یہی نمایاں ہے جو کہ آپ حضرات اہل علم پر بخوبی روشن ہے۔"

(نفس الحوالہ)

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ جس طرح اور جس منہاج پر علماء اور مدارس عربیہ کے طلبہ سے یہ کام لینا چاہتے تھے وہ درحقیقت علماء اور طلبہ کے علوم کی ترقی اور پختگی کا ایک مستقل انتظام تھا۔ ایک گرامی نامہ میں لکھتے ہیں:

"علم کے فروغ اور ترقی کے بقدر علم ہی کے فروغ اور ترقی کے ماتحت دین پاک ترقی اور فروغ پا سکتا ہے۔ میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے یہ میرے لئے خسران عظیم ہے۔ میرا مطلب تبلیغ سے علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرا بھی روکنا یا نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ ترقیات کی ضرورت ہے اور موجودہ جتنی ترقی کر رہے ہیں یہ بہت ناکافی ہے۔"

مولانا چاہتے تھے کہ اس تبلیغی کام ہی کے ضمن میں طلبہ اپنے اساتذہ ہی کی نگرانی میں اپنے علوم کے حق ادا کرنے اور مخلوق کو ان سے فائدہ پہنچانے کی مشق کر لیں تاکہ ان کے علوم خلق اللہ کے لئے نافع ہوں۔ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"کاش تعلیم ہی کے زمانے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی استادوں کی نگرانی میں مشق ہو جایا کرے تو علوم ہمارے نفع مند ہوں ورنہ افسوس ہے کہ بیکار ہو رہے ہیں، ظلمت اور جہل کا کام دے رہے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

ظاہر ہے جو علم دین کے حصول کے بعد اگر اس کی تبلیغ و اشاعت اور اس پر عمل نہ ہو تو وہ ازروئے حدیث سراپا جہل و ظلمت ہے۔

تفصیل کے لئے تو آپ حضرات

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت کا مطالعہ بار بار کیجئے گا۔ مجھے تو صرف اتنا عرض کرنا ہے اگر ہمارے دینی مدارس کے طلبہ کی تربیت کا تعلیمی زندگی میں عملی پروگرام شروع ہو جائے تو پھر فراغت علم کے بعد دنیا کی کسی بھی تیز آندھی اور خطرناک طوفان سے آپ کی یہ متاعِ گرانمایہ محفوظ و مامون ہو جائے گی۔

اور دوسری طرف دشمنانِ دین کو مدارس اسلامیہ اور تبلیغی جماعت میں تفریق ڈالنے کی جسارت باقی نہ رہے گی جتنی باتیں مدارس اور علماء کے بارے میں تبلیغی حلقوں سے سننے میں آتی ہیں وہ دراصل دشمنانِ دین کی طرف سے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کا جاہل اور ناعاقبت اندیش مگر مخلص طبقہ بھی اس کا اظہار کر دیتا ہو۔

بلکہ میں اس سے بھی آگے بڑھ کر کہوں گا کہ علماء کے اس طرف نہ لگنے سے کافر حکومتوں کے مخبر تک بھی بعض غیر اسلامی ملکوں میں جماعت کی شوریٰ میں شامل ہو گئے ہیں۔ اب ان سے کیا خیر کی توقع ہو سکتی ہے۔ اس لئے آئیے اور مع طلبہ کے آئیے اور اپنے بزرگوں کے خون پسینے سے سینچے ہوئے اس گلستان کی آبیاری اور نگرانی کیجئے۔ یہ آپ ہی کی وراثت ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس تحریک کی نشأۃ اور قیام کے وقت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی کیا کیفیت تھی۔ مولانا ندوی لکھتے ہیں:

"مولانا کا سا درد اور بیقراری دیکھنے میں نہیں آئی جس شخص نے نہیں دیکھا وہ تصور نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات ماہئ بے آب کی طرح تڑپتے، آہیں بھرتے اور فرماتے "میرے اللہ میں کیا کروں، کچھ ہوتا نہیں"۔ کبھی کبھی درد کے اس درد اور اس فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور بے چینی بڑھتی تو اٹھ اٹھ کر ٹہلنے لگتے۔ ایک رات والدۂ مولانا یوسف صاحب نے پوچھا آخر کیا بات ہے کہ نیند نہیں آتی۔ فرمایا کیا بتلاؤں، اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہو جائیں۔"

نفس الحوالہ ص ۲۲۶

مدارس کے بارے میں مولانا کو جس قدر فکر تھی اس کا اندازہ درج ذیل مکتوب سے لگائیے گا۔ حاجی رشید احمد صاحب کے نام لکھتے ہیں:

"لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانے میں آپ بہت زیادہ کوشاں رہیں کہ سینکڑوں مدرسوں کا سست پڑ جانا یا بند ہو جانا اہلِ زمانہ کے لئے نہایت وبال اور نہایت باز پرس کا خطرہ رکھتا ہے کہ قرآن دنیا سے مٹتا چلا جائے اور ہمارے پیسوں میں اس کا کوئی حصہ اور ہمارے دلوں میں اس کا کوئی درد نہ ہو۔ یہ سب باتیں خطرناک ہیں۔"

نفس الحوا[illegible] ۲۸۳)

مرض الوفات میں نیم بیہوشی کی حالت میں ارشاد فرماتے ہیں:-

"کاش علماء اس کام کو سنبھال لیتے اور پھر ہم چلے جاتے۔"

نفس الحوالہ ص ۱۷۹

میرا مقصود ان حوالوں سے یہ ہے کہ جہاں طلبہ کو طلب علم کے زمانہ میں اساتذہ کرام کی نگرانی میں دعوت و ارشاد کی تربیت کی ضرورت ہے وہاں علمائے کرام سے بھی گذارش ہے کہ یہی کرنے کا کام ہے اور یہی آپ کا منصب ہے اور اس جماعت کی سرپرستی آپ ہی کا حق ہے، اور یہ حق آپ کا ازلی ابدی ہے۔ اپنے حق کو پہچانیئے گا اور امت کو دین کے راستہ پر ڈالنا فرض ہے اور یہ فرض اس وقت سے پہلے پہلے ادا کرنے کی فکر کیجئے کہ جب اس کے نہ کرنے پر عذاب نازل ہو جائے اور دعا پکار نہ سنی جائے۔ العیاذ باللہ

حرفِ آخر

باطل تحریکات اور فتنوں کے قلع قمع کے لئے جو کچھ سمجھ میں آیا آپ کی خدمت میں تحریر کی شکل میں پیش کر دیا۔ دن بدن خطرات بڑھتے جا رہے ہیں۔ خطرات کے مقابلے کے لئے مستعد نہ ہونا جہاں بے عقلی ہے ان سے بالکل بے خبر رہنا انتہائی حماقت ہے۔ لہٰذا خطرات کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ اپنی استطاعت کے مطابق اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے تیار ہونا اور کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔

جس طرح سے آج شر کی تمام قوتیں پورے عالم میں جمع ہیں، خیر کی قوتوں کو اس سے بھی زیادہ مستحکم طریقہ سے جمع کرنا ہے، اور یہ کام جلیل القدر علمائے کرام ہی کر سکتے ہیں۔

؎ مرادِ ما نصیحت بود کردیم
حوالت با خدا کردیم رفتیم

ضرورت مدرس

ایک ہمہ وقتی فاضل و مستند قاری کی فوری ضرورت ہے۔ پانی پت کے قاری کو ترجیح دی جائے گی۔ مشاہرہ حسب قابلیت و تجربہ۔

قاری محمد ابراہیم
مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن
عظیم آباد اوکاڑہ ضلع ساہیوال

محمد ادریس

علماء حق کی قیادت میں جمعیۃ طلبہ اسلام کو پھر سے منظم کرنا ہوگا۔
طلبہ نے علماء کے شانہ بشانہ کام نہ کیا تو اسلامی انقلاب کی منزل دور ہو جائے گی۔

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے سرپرست اعلیٰ مولانا محمد اجمل خان نے گذشتہ دنوں جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی ساتھیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ علماء حق کی قیادت میں جمعیۃ طلبہ اسلام کو پھر سے منظم کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ طلبہ کو ہر حال میں علماء حق کے دامن سے وابستہ رہنا چاہیئے۔ آزمائش کے دور میں بھی انہی سے راہنمائی حاصل کرنی چاہیئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جمعیتہ طلبہ اسلام کے دستور میں علماء حق کی قیادت کو تسلیم کرنا بھی اسلامی انقلاب کی طرف ایک قدم تھا، کیونکہ یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ علماء اور طلبہ کی مشترکہ جدوجہد کے بغیر اسلامی انقلاب کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ مولانا محمد اجمل خان نے کہا کہ جمعیۃ طلبہ اسلام کے ساتھی اس کو خوش قسمتی تصور کریں کہ ہمارے ملک میں علماء حق کی ایک ایسی کھیپ موجود ہے جو عقاید نظریات، اعمال و افعال، سیاست، معاشرت غرض ہر میدان میں قرآن و سنت کے مطابق طلبہ کی راہنمائی کر سکتی ہے۔ ان علماء حق میں مولانا عبداللہ درخواستی، مولانا مفتی محمود، مولانا عبید اللہ انور اور دیگر اکابر ہیں جن کی مثال نہیں ملتی اور ان اکابر نے کڑے وقت ملک و ملت کو سہارا دے کر اپنی قیادت کا لوہا منوایا ہے۔ جمعیۃ طلبہ اسلام کو اس پر فخر کرنا چاہئے کہ اسے ان اکابر کی سرپرستی میں چلنے کا شرف حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ جمعیۃ طلبہ اسلام کا مزاج ہی ایسا ہے کہ علماء حق کی قیادت کے بارے میں شک کرنے والے علماء و طلبہ کے درمیان بداعتمادی پھیلانے والے جمعیۃ طلبہ اسلام کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ معاونت سازی اور تشکیل نو کے بارے میں سرپرستِ اعلیٰ نے طلبہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ فضول بحثوں اور غلط گمانوں کو بالائے طاق رکھ کر خلوصِ نیت کے ساتھ کام کریں۔ اس کے علاوہ انہوں نے جمعیۃ طلبہ اسلام کے مستقبل کے لئے تجاویز دیں جن کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جمعیۃ طلبہ اسلام کا اجلاس بلایا گیا ہے۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی یاد میں

گذشتہ دنوں جمعیۃ طلبہ اسلام جہاوریاں کا ایک اجلاس منعقد ہوا، جس کے بعد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی یاد میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں شاہ صاحبؒ کی شخصیت و کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی۔ خواجہ محمد ایوب اور محمد اسمٰعیل نے شاہ صاحب کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ شاہ صاحبؒ کی یاد میں شکرگڑھ میں بھی مکی مسجد میں طلبہ کا ایک اجتماع ہوا جس سے ڈاکٹر مولانا عبدالرحیم شاد نے خطاب کرتے ہوئے شاہ صاحب کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

اس کے علاوہ جہاوریاں شاخ کی طرف سے رمضان المبارک میں ایک دعوتِ افطار کا اہتمام کیا گیا جس میں مقامی بلدیہ کے چیئرمین قاضی محمد الحسن اور وائس چیئرمین میر اللہ بخش مہمانِ خصوصی تھے۔ اجلاس کی کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ بعد ازاں مہر عمر دراز جو جہاوریاں کی تنظیمی کمیٹی کے رکن ہیں انہوں نے جمعیۃ کے پروگرام پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ آخر میں معاونت سازی کی مہم کا آغاز کیا گیا۔ اس موقعہ پر پچاس طلبہ نے جمعیۃ طلبہ اسلام کے فارم معاونت پُر کر کے جمعیۃ میں شمولیت اختیار کی۔

شکرگڑھ میں یوم پاکستان

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان شکرگڑھ میں یوم پاکستان پر ایک تقریب منعقد ہوئی جس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا عبید اللہ رشیدی نے کہا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے لازوال قربانیاں دے کر پاکستان حاصل کیا تھا۔ ابھی تک اس کے مقاصد تکمیل کو نہیں پہنچے۔ انہوں نے طلبہ پر زور دیا کہ وہ یوم پاکستان کے موقعہ پر عہد کریں کہ وہ مقاصدِ پاکستان کے لئے بھرپور جدوجہد کریں گے۔ انہوں نے حصول پاکستان کی جدوجہد میں صف اوّل کے راہنما اور بابائے قوم کے دست راست مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

مسلمان کدھر جائے!

افغانستان پر روسی جارحیت سے مسلمان خون میں نہائے تھے کہ اسرائیلی جارحیت نے بیت المقدس کو دارالحکومت قرار دے کر اہل اسلام کے دلوں کا خون کر دیا۔ ایک بار پھر جذبات بھڑکے لیکن بے بسی حد سے بڑھ چکی تھی۔ ادھر بھارتی جارحیت نے عید ملن کے موقع پر مرادآباد اور پھر پورے بھارت میں مسلم کشی کا طوفان کھڑا کر دیا۔ ان واقعات نے پورے عالم اسلام کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں فسادات بھی علیحدہ مسئلہ ہے اور ایک انتہائی خطرناک کھیل کھیلا جا رہا ہے اور اس میں جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیۃ طلبہ پوری طرح ملوث ہیں۔ اگرچہ

ان کا پاکستان کی کالعدم جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیۃ طلباء سے کوئی تعلق نہیں، لیکن پھر بھی اپنی حرکات کے لحاظ سے کچھ مماثلت ضرور لگتی ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اسلامی جمعیۃ طلبہ اور جماعت اسلامی عبداللہ حکومت کے خلاف کام کر رہی ہیں اور یہ بھارتی اپوزیشن کی حمایت میں ہو رہا ہے۔ بغرض صورتِ حال کچھ بھی ہو کشمیر میں مسلم کش فسادات کی ذمہ داری جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیۃ طلبہ پر بھی ہوگی جو خود کو پاکستان کا حامی ظاہر کر رہی ہیں۔

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی راہنما ندیم اقبال اعوان نے القدس پر اسرائیلی قبضے کے خلاف شدید غم و غصہ کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ عالم اسلام اور اس کے اتحادیوں کو ظلم و جارحیت کے خلاف مشترکہ آواز بلند کرنی چاہیئے۔ بھارت میں مسلم کش فسادات کی پُر زور مذمت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ عالم اسلام کو بھارت سے تعلقات استوار کرنے سے پہلے بھارتی کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت حاصل کرنی چاہیئے۔

انہوں نے کہا کہ یہ فسادات اندرا حکومت کے خلاف سازش ہوں یا کسی بیرونی طاقت نے کرائے ہوں، اپوزیشن اس میں ملوث ہو یا پس پردہ حکومت کا ہاتھ ہو، ہر حال میں اس کی ذمہ داری اندرا حکومت پر ہے، کیونکہ فسادات کو روکنا اور ہر شہری کے جان و مال کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اگر اندرا حکومت مسلمانوں سے مخلص ہے تو وہ متاثرہ خاندانوں کو معاوضہ دے اور فسادات کی غیر جانبدارانہ تحقیق کے بعد ذمہ دار عناصر کو سزا دے۔

مکرمی جناب ظہیر صاحب

سلام مسنون!

آپ کے والد بزرگوار کی وفات پر انتہائی صدمہ ہوا۔ بے شک والدین بڑی نعمت ہیں۔ انکی زندگی انسان کیلئے دنیا و آخرت کی بھلائی ہوتی ہے لیکن اللہ کے فیصلوں کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین

آپکے غم میں شریک

۱۔ قاضی مسعود الحسن، میانوالی
۲۔ نجیم خان صدر تنظیمی کمیٹی جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سرحد
۳۔ محمد نعیم " " " " مردان
۴۔ جہانزیب داؤد سیکرٹری " " " مردان
۵۔ محمد عثمان پاشا و کارکنان " " " حیدرآباد
۷۔ عبدالخالق ندیم سیکرٹری جمعیۃ طلبہ اسلام پنجاب

اجلاس مرکزی تنظیمی کمیٹی

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کی مرکزی تنظیمی کمیٹی اور صوبوں کی تنظیمی کمیٹیوں کا مشترکہ اجلاس

۵-۶ ستمبر بروز جمعہ ہفتہ بعد نماز جمعہ

شیرانوالہ گیٹ لاہور

میں منعقد ہوگا جس میں آپ کی شرکت نہایت ضروری ہے۔ آپ کو دعوت نامہ ارسال کر دیا گیا ہے، اگر نہ ملے تو اسی تحریر کو دعوت نامہ تصور کریں۔

ایجنڈا:-

۱۔ تنظیمی مسائل اور ان کا حل
۲۔ معاونت سازی کا جائزہ اور انتخابی شیڈول
۳۔ صوبائی کارکردگی کی رپورٹیں اور مجموعی صورتحال
۴۔ دیگر امور

منجانب
ظہیر میر، سیکرٹری تنظیمی کمیٹی
جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان۔

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان صوبہ پنجاب کے کنوینرز کا اہم

اجلاس

۵ ستمبر بروز جمعہ، شیرانوالہ گیٹ لاہور

پنجاب بھر سے کنوینرز اور ان کے معاونین بھرپور انداز سے شرکت کر رہے ہیں۔

بقیہ: میری علمی زندگی کے مربی و محسن

کے خلاف علمی و عملی جہاد کی پچاسوں تحریکیں پیدا ہوئی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند سے رشتہ کا منقطع کر لینا ملت اسلامیہ کی تاریخ کے ایک عظیم الشان دور سے اپنا تعلق ختم کر لینا ہو گا۔ دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر اور اس کے فرزندوں کی خدمات کو نظرانداز کر کے ملتِ اسلامیہ ہند و پاکستان کی کوئی تاریخ نہیں لکھی جا سکتی۔ ان کی خدمات قومی و ملی اور دینی و سیاسی کا دور انیسویں صدی کے ربع ثالث سے شروع ہوتا ہے اور پاکستان کے دورِ حاضر میں اسلامی نظام کے قیام، آمریت اور نوکرشاہی کے خلاف جہاد اور جمہوریت کے فروغ کی تحریکیں میں نہ صرف شرکت بلکہ قیادت کے مقام تک پھیلا ہوا ہے۔

میرا یہ بھی اعتقاد ہے کہ پاکستان میں اسلام کے حقیقی جمہوری نظام کے قیام و فروغ کے لئے ایثار و قربانی کی کوئی شہادت گاہ تیار ہوئی تو تمام فرزندان و منتسبین دارالعلوم کو آپ ایثار و قربانی کی اس آزمائش گاہ میں پائیں گے۔

حضرات! اگر ایسے وقت میں کسی عزیز کو ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کی ضرورت ہو تو اسی مقامِ عزیمت میں تلاش کیجئے گا۔ ممکن ہے خونِ شہادت کے چھینٹوں سے چہرہ و دامن داغدار ہو اور آپ کو پہچاننے میں دقت ہو، ممکن ہے آپ کو مجھ تک پہنچنے میں تاخیر ہو اور اسلام و جمہوریت کی یہ آزمائش گاہ میرے لئے شہادت گہ الفت بن جائے۔ آپ میری لاش کشتگانِ جور و ستم کے کسی ڈھیر میں مگر فرزندانِ دیوبند اور نوجوانانِ اسلام کے قدموں کی طرف تلاش کیجیئے گا...

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام زندہ باد ۔ پاکستان پائندہ باد

جماعتی احباب
متوجہ ہوں!

نظام العلماء پاکستان

کے مرکزی ناظم دفتر

مولانا غلام اکبر سلیمانی

نے ملک بھر کا جماعتی و تنظیمی دورہ مکمل کرنے کے بعد

یکم ستمبر سنہ ۸۰ء

سے مستقل طور پر نظام العلماء پاکستان کے دفتری امور کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ آئندہ جماعتی حضرات

چوک رنگ محل لاہور

کے پتہ پر خط و کتابت اور رابطہ قائم کریں اور وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرماتے رہیں۔ نیز جماعتی احباب سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اضلاع اور شاخوں کی تشکیلات مکمل کر کے فوری طور پر

مرکزی دفتر لاہور

بھجوائیں

اور اپنے ضلعی و صوبائی دفاتر اور رابطے کے پتے پر ارسال کریں تاکہ نام و پیام اور رابطہ کے ذریعہ جماعتی امور کو آگے بڑھایا جا سکے اور جماعت کے سربراہ اور ناظم عمومی کی ہدایات ترسیل کی جاسکیں۔ شکریہ

ہوزری کی مصنوعات میں
معیاری نام
نورانی ہوزری
بنیان جالی ۔ سمر کنگ
انٹرلاک ۔ انڈرویئر
جراب ہر قسم ۔ ہر سائز
ہر جگہ دستیاب ہیں۔
پروپرائٹر: **چوہدری محمد اسلم**
جناح کالونی، فیصل آباد، فون ۲۵۲۳۲

آپ کی خدمت میں پیش پیش
عمدہ کام خوبصورت ڈیزائن
مہران گولڈن ہاؤس
ہر قسم کے خوبصورت دیدہ زیب اور اعلیٰ قسم کے ڈیزائن کے خالص سونے کے زیورات بازار ... بارعایت آرڈر پر بنوانے کے لئے ہماری ... اصلاح کریں۔
پروپرائٹر: **محمد بخش اینڈ منظور احمد**
ریلوے روڈ ۔ پنڈ عیدن
ضلع نواب شاہ (سندھ)

سچے موتی

جب کسی قوم کا بزرگ تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرو